آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۶) بابت ماہ جون سنہ ۱۹۰۷ء نمبر (۶)

فہرست مضامین

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر مقبرہ بہشتی قادیان ضلع گورداسپور بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں ان کا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مشرح مفصل فہرست ۱/ کا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہو گی۔

انوار اللہ - اردو	۸ر	قاعدہ عربی اردو	۱ر	تذکرۃ الشہادتین اردو	۵ر	شہادۃ القرآن اردو	۴ر
اجرومیہ - عربی	۰ر	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	عـہ	" فارسی	۳ر	صیان القرآن "	۳ر
الذکر یعنی ترجمہ اردو اسمائے الٰہیہ	۲ر	مسک العارف اردو	۱۰ر	تحفہ قیصرہ اردو	۲ر	کشف الغطا "	۲ر
پارہ الم عربی	۲ر	نشان آسمانی "	۲ر	تحفۃ الندوہ "	۰ر	لغات القرآن حصہ اول	عہ
پنج ارکان اسلام - اردو	۱ر	واقعات صحیحہ "	۲ر	تقریریں "	۲ر	" حصہ دوم	۸ عہ
تفسیر جلالین - عربی	عہ	یسرنا القرآن حصہ اول	۱ر	تقریروں کا مجموعہ "	۳ر	لیکچر سیالکوٹ اردو	۱۰ر
تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی	۲ر	" دوم	۱ر	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب - اردو	۲ر	" لاہور لدھیانہ "	۴ر
تقریر جلسہ مذاہب [illegible] اردو	۲ر	" سوم	۱ر	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ "	۶ر	مشکوۃ الانوار عربی	۴ر
جام شہادت - اردو	۶ پائی	ہدیہ ثاقب اردو	۲ر	حمامۃ البشریٰ عربی	۸ر	مواہب الرحمٰن "	۶ر
حمائل مترجم - فارسی	عہ	الہدیٰ عربی	۶ر	حجۃ الاسلام - اردو	۱ر	مبادی الصرف	۱ر ۶ پائی
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸ر	الحق - لودیانہ اردو	۶ر	خطوط شیعہ کا جواب "	۲ر	نسیم دعوت - اردو	۳ر
سلسلہ دینیہ - اردو	۹ پائی	" دہلی "	۸ر	خطبہ الہامیہ عربی ترجمہ فارسی اردو	عہ	نور الدین حصہ اول اردو	۲ر
سلاسل القرآۃ - عربی نمبر ۱	۴ر	اعجاز احمدی عربی	۳ر	خلافت راشدہ حصہ اول	۸ر	" " دوم "	۴ر
" " ۲	۸ر	احسن الکلام اردو	۳ پائی	" " دوم "	۴ر	ہدیہ سعدیہ - عربی	۲ر
" " ۳	۱۳ر	ابطال الوہیت مسیح "	۱ر	خزینۃ العارف حصہ اول دوم	۴ر	فصل حق - اردو	۱ر
" " ۴	۱۳ر	آیات الرحمٰن "	۸ر	" " سوم و چہارم	۸ر	سیرۃ المسیح - اردو	۸ر
آریہ دھرم - اردو	۴ر	دعوت الحق - اردو .... / شرح ترمذی ۱	۵ر / عہ			آسمانی فیصلہ "	۲ر ۶ پائی
دینیات کا پہلا رسالہ اردو	۱ر	شرح ترمذی ۲	عہ	اعلام الناس حصہ دوم	۴ر	دافع البلاء "	۱ر
طریق النجات ۱	۸ر	احمدی کا من پنجابی	۱ر	دعوت دہلی - اردو	۱ر ۶ پائی	غنیۃ الطالب عربی	عہ
" " ۲	۸ر	براہین احمدیہ حصہ اول	۵ر	دعوۃ الندوۃ -	۱ر ۶ پائی		
" " ۳	۸ر	" " دوم	۴ر	راز حقیقت - اردو	۱ر	شفاء السقام "	عہ
" " ۴	۱۵ر	" " سوم	۱۰ر	سرمہ چشم آریہ "	۱۲ر		
غسل مصفیٰ - اردو	۸ر ۶	" " چہارم / مکمل براہین احمدیہ	۶ روپے	ست بچن "	۱۰ر		

نوٹ: براہین احمدیہ کا حصہ چہارم اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدس نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا۔ باقی تین حصے بڑے اہتمام سے دوبارہ چھپوائے گئے ہیں۔

نوٹ۔ ان قیمتوں میں محصولڈاک شامل نہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن کریم کی حفاظت

۴۔ آیتوں اور سورتوں کی ترتیب

ہم نے پہلے دلایل قویہ سے یہ بات ثابت کر دکھائی ہے کہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی لکھا گیا اور آپ کی زندگی میں ہی قرار اور حفاظ نے تمام و کمال حفظ کر لیا تھا۔ لیکن چونکہ یہ مسلم بات ہے کہ اس مقدس اور مبین کتاب الٰہی کا نزول تدریج کے ساتھ ہوتا رہا اور تئیس سال کے عرصہ میں پورا ہوا۔ چنانچہ بعض سورتیں تو ایسی ہیں جو ایک ہی دفعہ اکٹھی نازل ہوئیں اور بہت سی اس قسم کی ہیں کہ جن کا نزول تدریجی ہوا۔ اور بہت لمبے عرصہ میں پوری ہوئیں۔ ایسا بھی ہوتا رہا کہ ابھی ایک سورۃ مکمل نہ ہونے پاتی تھی کہ دوسری سورۃ نازل ہونی شروع ہو جاتی۔ بعض وقت ایسا بھی ہوتا کہ دو مختلف سورتوں کی آیات ایک ہی وقت میں نازل ہو جاتیں۔ غرض قرآن شریف ایک جلد اور ایک وقت میں اکٹھا نازل نہیں ہوا بلکہ آیات اور سورتیں تئیس سال کے عرصہ میں تدریج کے ساتھ نازل ہوئیں۔ اور ترتیب نزولی ایسی نہ تھی کہ جس سے ہر ایک سورۃ کی آیات علی التواتر نازل ہو کر اسکو پورا کر لیتے بعد دوسری سورۃ شروع ہوتی۔ بلکہ حسب اقتضائے منشاء الٰہی مختلف سورتوں کی آیات مختلف اوقات میں نازل ہوئیں۔ اور اسوقت جو قرآن شریف مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اس میں ترتیب آیات ترتیب نزولی کے موافق نہیں بلکہ یہ وہ ترتیب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حین حیات بلکہ عین نزول آیات کے موقعہ پر اشارہ وحی الٰہی سے کی تھی۔ اس موقعہ پر ایک معترض یا ایک منتقدیہ سوال کریگا کہ آیا یہ ترتیب قرآنی جو نزولی ترتیب کے مطابق نہیں ہے کس نے کی تھی؟ کیا خود آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی قرآن شریف کو اس طرح ترتیب دیا تھا یا کسی اور نے ترتیب دی تھی؟ پھر اگر قرآن شریف کی کوئی ترتیب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی تھی تو کیا یہ موجودہ ترتیب قرآنی وہی ترتیب ہے یا اس سے مختلف؟ یعنی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا موجودہ قرآن شریف بلحاظ ترتیب سور و آیات وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے چھوڑا تھا یا یہ قرآن اس قرآن سے مختلف ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب دیا تھا؟

اس مضمون میں انہی مذکورہ بالا سوالات پر غور کرنا ہمارا اصل مقصد ہے۔ ہم نے اس امر کے متعلق ہر قسم کی اندرونی اور

خارجی شہادات پر بہت عمیق نظر سے غور کیا ہے۔ اور بڑی گہری تحقیقات اور معقول اور منصفانہ تدبر اور تفکر کے بعد ہم اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہر قسم کی اندرونی اور بیرونی شہادات اس بات کو قطعی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ قرآن شریف کی سورتوں اور آیتوں کی موجودہ ترتیب سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دوسرے کا کام نہ تھا بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے خیال کو اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ بلکہ آپ نے یہ ترتیب قرآنی وحی الٰہی کی ہدایت کے موافق دی تھی۔ اور موجودہ قرآن شریف بعینہٖ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب دیا تھا۔ اس سے ایک سرمو کا بھی فرق نہیں۔ اگرچہ اس امر پر اندرونی شہادت موجود ہے مگر اس مضمون میں اس شہادت کے لیے گنجایش نہیں۔ اس لیے ہم صرف خارجی شہادت کو یہاں پیش کریں گے۔ مگر اتنی بات ہم ضرور کہیں گے کہ یہ محض ایک جھوٹا خیال ہے کہ قرآن شریف کی موجودہ ترتیب ٹھیک نہیں۔ اور اس سے بہتر ترتیب بھی ہوسکتی ہے۔ اس خیال کا ذرہ بھر بھی ثبوت کسی معترض کے ہاتھ میں نہیں۔ اور حق بات یہ ہے کہ اس ترتیب سے بہتر ترتیب قطعاً ناممکن ہے۔ یعنی ہر ایک سورۃ قرآنی اور اسکی ہر ایک آیت ایسی منتظم۔ اور موزون طور سے مرتب اور برمحل رکھی ہوئی ہے کہ یہ ہوسکتا ہی نہیں کہ اس سے بہتر کوئی ترتیب ہوسکے۔ ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ ربط وضبط کلام کے لحاظ سے ایسے اعجازی نظام سے رکھا ہوا ہے کہ ایک لفظ کا تغیر وتبدل بھی ممکن نہیں۔ وہ شخص جو اس نظام قرآنی پر کسی قسم کا حرف رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ بعض آیات ماقبل ومابعد میں مضمون کا ربط نہیں یا کوئی مضمون چھوٹا ہوا ہے وہ صرف اپنی جہالت اور حماقت سے ایسی بات منہ سے نکالنے کی جرأت کرتا ہے۔ ایسے لوگ نہ تو عربی زبان کے محاورات سے ماہر نہ ربط کلام کے فن کے واقف ہوتے ہیں اور نہ قرآن شریف کو ہی غور اور تدبر سے پڑھنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ ورنہ یہ تعجیل کار معترض اگر قرآن شریف ہی پر غور وخوض اور تدبر کریں تو انپر یہ بات منکشف ہوجائے کہ انکے اعتراض سب غلط اور بیجا ہیں اور قرآن شریف کی ہر ایک آیت اور سورۃ بلکہ اسکا ہر ایک لفظ صحیح موقعہ اور محل پر منتظم ہے اور کوئی مضمون غیر منسلک اور غیر منتفق نہیں مگر اس موقعہ پر اندرونی شہادت کو پیش کرنیکی نہ گنجایش ہے اور نہ ہم اسے اسجگہ پیش ہی کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے صرف ایک حصہ ثبوت یعنی خارجی شہادت کو ہی پیش کیا جائیگا۔ یہ شہادت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ قرآنی آیتوں اور سورتوں کی موجودہ ترتیب نہ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور نہ زیدؓ نے کی تھی بلکہ یہ وہی ترتیب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی ہدایت سے کی تھی۔ اس زبردست گواہی سے نہ صرف حدیثیں ہی بھری پڑی ہیں بلکہ خود قرآن شریف بھی اس پر شاہد ہے۔

چنانچہ دیکھو سورۃ القیامہ آیت ۱۹۔ ان علینا جمعه وقرانه فاذا قرأناه فاتبع قرانه۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن کا جمع کرنا اور اسکا تجھکو (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو) پڑھا دینا ہمارا کام ہے پس جب ہم اسے پڑھ چکیں تو تم اسی کے پڑھنے کی پیروی کیا کرو۔ اس آیت کریمہ سے یہ بات پورے طور سے پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ جمع قرآن شریف مع ترتیب آیات وسور صرف اللہ تعالیٰ کی وحی سے عمل میں آئی۔ یہ آیت شریفہ صاف تبلا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح قرآنی آیات وحی کے ذریعہ سے نازل ہوئیں۔ اسی طرح انکی ترتیب اور جمع بھی اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھادی

یہی وجہ ہے کہ خود قرآن شریف نہ صرف اسی بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ کلام الٰہی ہے بلکہ یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ اسکا جمع کرنا اور اسکی ترتیب دینا سب امر الٰہی سے ہوا ہے گویا یہ قرآن شریف جیسا کہ خدا کا کلام ہے اسی طرح خدا ہی نے اسکو مرتب اور جمع کیا۔ اور جس طرح اس کلام کو وحی کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ میں ڈالا گیا اور انکو اسکی تبلیغ کا شرف بخشا گیا اسی طرح اسکے مرتب اور جمع کرنیکی عزت بھی اسی حقیقی عزت آثار سردار دو عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیگئی۔ واضح رہے کہ اس آیت میں لفظ جمع جو وارد ہوا ہے اس سے مراد ترتیب اور جمع دونوں ہیں۔ کیونکہ بغیر کسی خاص ترتیب کے جمع ممکن نہیں جمع سے مراد ہی یہ ہے کہ ترتیب دیکر جمع کیا گیا۔ اور اس لفظ کے اسجگہ واقع ہونیسے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ قرآن شریف اس ترتیب سے نازل نہیں ہوا تھا جس ترتیب سے وہ جمع کیا گیا۔ یعنی اصل ترتیب قرآنی ترتیب نزولی سے مختلف ہے۔ کیونکہ اس آیت میں جمع اور نزول کو دو الگ الگ امر بنایا گیا ہے۔ اگر ترتیب نزولی ہی وحی الٰہی کا منشا ہوتا تو جمع اور نزول کو الگ الگ بیان نہ کیا جاتا کیونکہ پھر نزول کے ساتھ ساتھ ہی جمع کا کام بھی ہوتا جاتا اور جمع کی کوئی الگ ضرورت نہ رہتی۔ مگر آیت موصوفہ میں اللہ تعالےٰ نے جمع کو ایک الگ فعل بیان فرمایا ہے اور پڑھنے یعنی نزول کو الگ۔ پس اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وحی الٰہی نے ترتیب جمع اور ترتیب نزول کو الگ الگ رکھا اور نزول اور جمع دونوں کو اپنے ذمہ لیا۔ پس جس طرح وحی الٰہی کا نزول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سارا ہو چکا اسی طرح اسکی جمع اور ترتیب بھی ضروری تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی یہ کام بھی تکمیل کو پہنچ جاتا اور ایسا ہی ہوا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات قرآن شریف کی صاف صاف اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ترتیب قرآنی وحی الٰہی سے ہوئی جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القراٰن جملۃ واحدۃ کذٰلک لنثبت بہ فؤادک ورتلنٰہ ترتیلا۔ (الفرقان آیت ۳۲) یعنی کافر کہتے ہیں کہ سارا قرآن مکمل اور مرتب ایک دفعہ ہی کیوں نازل نہ کر دیا گیا۔ انکو کہدو کہ مصلحت الٰہی یہی ہے تاکہ کلام الٰہی کو جزو اً جزواً نازل کرنے سے ہم تمہارے دل کو تسکین دیتے رہیں۔ اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا اور اسکی تالیف بھی نہایت عمدہ کی۔ ترتیل کے معنے کسی لغت عربی کو دیکھو اس میں تالیف یعنی ترتیب بھی شامل ہے۔ لسان العرب میں ہے رتل الکلام احسن تالیفہ وابانہ وتمہل فیہ یعنی اسکی تالیف یعنی ترتیب کو نہایت عمدہ کیا اور اسے کھول کھول کر اور ٹھہر ٹھہر کر بیان کیا۔ بلکہ سیاق و سباق عبارت خود بتا رہا ہے کہ یہاں ترتیب کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کیونکہ کافروں کا اعتراض تھا قرآن سارا ایکدفعہ مرتب ہو کر نازل کیوں نہیں ہوا جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تھوڑا تھوڑا نازل کرنے میں بہت سے مصالح الٰہی ہیں اور یہ بھی کہ کلام الٰہی کے نزول سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو تسکین ہوتی رہے۔ اور یہ جو تم کہتے ہو کہ مرتب کیوں نہیں سو ترتیب و تالیف بھی ہم ہی کر رہے ہیں اور کریں گے۔ اور اخیر پر اسکو مکمل اور مرتب بنا دیں گے ایسا ہی آیت وصلنا لہم القول سے بھی یہ پایا جاتا ہے کہ اجزائے قرآنی کی ترتیب کا کام بموجب دعویٰ قرآن کریم وحی الٰہی سے ہی ہوا۔

اب ہم حدیث صحیح کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آیا تاریخ اور حدیث صحیح سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نہیں کہ

موجودہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسی ترتیب الٰہی کے ساتھ جسکا ذکر آیات مذکورہ بالا میں ہے ہمارے ہاتھوں تک نہایت امانت اور دیانت کے طریق سے محفوظ پہنچا ہے۔ اس امر کیلیے سب سے پہلے یہ بات دیکھنی ضروری ہے کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن شریف اسی طرح جمع مرتب اور منتظم چھوڑا گیا یا نہیں۔ اس امر کے ثبوت میں صحیح روایات اور معتبر احادیث کا بڑا ذخیرہ موجود ہے اور ہم پہلے آیتوں کی ترتیب اور پھر سورتوں کی ترتیب پر غور کریں گے اور ہر ایک امر تحقیق طلب میں امور ذیل پر بحث کریں گے۔ (۱) کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے قرآن شریف کو کوئی ترتیب دی ہوئی تھی؟ (۲) کیا قرآن شریف جس نہج سے نازل ہوا تھا اُسی طرح اسکو ترتیب دیا گیا یا ترتیب جمع ترتیب نزولی سے مختلف تھی؟ (۳) کیا موجودہ ترتیب قرآن شریف اس ترتیب سے مختلف ہے، یا وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو دی تھی؟ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ ہی میں مسلمان لوگ نمازیں پڑھتے تھے اور نمازوں میں بڑا حصہ صرف قرآن شریف ہی کا پڑھا جاتا ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ نمازوں کے علاوہ بھی قرآن شریف کی تلاوت پر مداومت اسوقت سے ہی مسلمانوں میں مروج ہے۔ پھر جبکہ اتنی بڑی کتاب جس میں اتنے مختلف مضامین ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلعم کی حیات میں حفظ کر لی تھی اور باقاعدہ طور پر نمازوں میں پڑھتے تھے اور ایک دوسرے کو پڑھاتے اور سکھاتے تھے تو کسطرح ممکن ہے کہ یہ ساری کام بغیر جمع قرآن کے عمل میں لائے جاسکتے تھے لیکن افسوس عیسائی معترضوں کی بے سمجھی اور نادانی پر کہ انہیں جس کو اسلام پر اعتراض کرنیکی سوجھی اُس نے اس بات کو بطور اعتراض ضرور پیش کیا ہے۔ ہر معترض نے وہی دلیلیں اس اعتراض کی تائید میں دوہرائی ہیں جو کسی اول المعترضین نے پیش کی تھیں۔ ان لوگوں نے تاریخ کی قطعی اور ضروری شہادت کو ہمیشہ نظر انداز کرکے اپنے اعتراض کی بنا صرف اسی امر پر رکھی ہوئی ہے کہ انکے زعم باطل میں قرآن شریف کی سورتوں اور آیتوں میں کوئی ربط وضبط موجود نہیں۔ عام معترض عیسائی تو کہیں رہے ولیم میور صاحب جنہوں نے بڑے زور سے دعویٰ کیا تھا کہ میں نے لائف آف محمدؐ کو بڑی تحقیقات اور تاریخی استناد پر لکھا ہے۔ وہ بھی اس موقعہ پر آکر انہی پُرانے عیسائی معترضوں کی اتباع سے الگ نہ رہ سکا۔ اور تاریخ کی سچی اور عیاں شہادت کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکا۔ ہم ذیل میں میور صاحب کی لائف آف محمدؐ کے دیباچہ سے ایک جملہ نقل کرتے ہیں جس سے ناظرین پر نہ صرف یہ بات ہی عیاں ہو جائیگی کہ عیسائی معترضین کس کس قسم کے اعتراض پیش کرتے ہیں بلکہ یہ بات بھی ظاہر ہو جائیگی کہ خود سرولیم میور صاحب نے تاریخی شہادت سے کسطرح اغماض اور اعراض کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "بہرحال ہم یہ بات مان نہیں سکتے کہ اس زمانہ میں کامل قرآن شریف کسی معین ترتیب سے پڑھا جاتا تھا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ موجودہ قرآن شریف کی نسبت مسلمانوں کا ایمان ہے کہ یہ اسی ترتیب کے موافق ہے جو آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کی تھی۔ لیکن ہم اسکو تسلیم نہیں کرسکتے کیونکہ اگر کسی معین ترتیب کا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) خود فیصلہ کر دیتے اور اسپر آپ عمل کرتے تو ضروری تھا کہ وہی ترتیب آیندہ محفوظ رکھی جاتی۔ مگر جو قرآن شریف ہمارے زمانہ تک محفوظ چلا آیا ہے وہ مضامین اور زمانہ کے لحاظ سے اپنے مختلف حصوں میں کسی معقول اور قابل فہم

ترتیب کا متبع نہیں۔ اور یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اس موجودہ ترتیب کے ساتھ اس کے پڑھنے کا حکم کرتے ہوں۔ ہمیں اس بات پر شبہ ہے کہ جتنی تعداد قرآنی سورتوں کی اسوقت موجود ہے انکی یہ تعداد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود مقرر کی تھی یا نہیں۔ بہرحال اتنا تو ضرور ہے کہ اکثر سورتوں کی اندرونی ترتیب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت سے نہیں" سر ولیم میور نے اس مضمون پر کچھ حاشیے لکھے ہیں ان حواشی کے پڑھنے سے مصنف کے دل کا وہ اضطراب ظاہر ہو رہا ہے جو مذہبی تعصب اور تاریخ کے صحیح ثبوت کی موجودگی کے جھگڑے سے پیدا ہو رہا ہے۔ کبھی تعصب غالب آجاتا ہے اور دوسرے معترضین کا اتباع کرکے وہ یہ کہدیتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں نہ سورتوں کی کوئی ترتیب تھی نہ آیتوں کی۔ نہ سورتیں الگ الگ تھیں نہ انکی تعداد مقرر تھی نہ ان میں آیتوں کی تعداد کا پتہ تھا مگر پھر جب تاریخ یعنی حدیث صحیح کی طرف دیکھتا ہے تو اسے مجبوراً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ سب کچھ تھا مثلاً جہاں اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں قرآن شریف کی معین ترتیب کے موجود ہونیکا انکار کیا ہے وہاں ساتھ ہی اس کے میور صاحب کو یہ بات مجبوراً حاشیہ میں تسلیم کرنی پڑی ہے کہ "یہ بات لکھی ہوئی موجود ہے کہ بعض صحابہؓ سارے قرآن شریف کی معین وقت میں تلاوت کر سکتے تھے جس سے یہ بات قرار دینی پڑتی ہے کہ اس میں بعض حصص قرآنی کا باہمی تعلق اور ربط ضرور تھا" ایک اور حاشیہ میں اسنے یہ بات مانی ہے کہ "آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات میں چار پانچ تو ایسے صحابی موجود تھے جو کامل قرآن شریف کو نہایت صحت کے ساتھ ازبر رکھتے تھے اور اکثر ایسے موجود تھے جو قریباً سارا قرآن ازبر رکھتے تھے" علاوہ ازیں جہاں اس نے سورتوں کی تعداد کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خود مقرر کرنیسے انکار کیا ہے تو تردید کے خیال سے معاً ذیل کا حاشیہ لکھدیا ہے "لیکن اس بات کو ماننے کے وجوہ موجود ہیں کہ بڑی بڑی سورتیں اور انکی آیات جو زیادہ تر مستعمل تھیں وہ معین ہو چکی تھیں اور اپنے اپنے ناموں اور خاص نشانوں سے معروف اور موسوم تھیں۔ اور صحیح حدیثوں سے آنحضرت (محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم) کا خود یوں بعض سورتوں کا موسوم اور معروف کرنا ثابت ہے۔ مثلاً جب غزوہ حنین میں بعض لوگ بھاگے تو اسوقت انکو آنحضرت صلعم نے اصحاب بقر کرکے پکارا تھا" اور پھر حاشیہ میں ہی لکھتا ہے کہ "احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اکثر صحابیوں نے قرآن شریف کی بعض سورتیں حفظ کرلی ہوئی تھیں۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے قرآن شریف کی ستر سورتیں سیکھی تھیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری مرض کے ایام میں ستر سورتیں تلاوت فرمائی تھیں جن میں سات لمبی سورتیں تھیں۔ ان حدیثوں سے کم از کم قرآنی سورتوں میں ایک حد تک معین تقسیم ضرور ثابت ہوتی ہے۔ البتہ سورتوں کی ترتیب کا اس سے پتہ نہیں لگ سکتا" اور پھر لکھتا ہے کہ "جبکہ یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سور ہائے قرآنی کا استعمال کیا کرتے تھے تو اس سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہوتی ہے کہ سورتوں کی ترتیب کا کسی حد تک آپنے ضرور فیصلہ کردیا ہوا تھا" اسی امر کے متعلق آگے چلکر ایک اور حاشیہ میں ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ "حدیث مذکورہ بالا میں سورتوں کی وہ تعداد لکھی ہے جو بعض صحابہؓ کو یاد تھیں۔ اور نیز وہ تعداد جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

آخری وقت میں پڑھی تھیں مذکور ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورتیں اسوقت مکمل اور مرتب صورت میں موجود تھیں۔"

ولیم میور صاحب کے دیباچہ کے متن اور مذکورہ بالا حواشی کو پڑھنے سے صاف پتہ ملتا ہے کہ اُنکے دلی بغض و تعصب نے مجبور کرکے اور انکی آنکھیں حق نیوشی سے بند کراکے وہ سطور لکھوا دیں جن میں متن میں انہوں نے انکار ترتیب کیا ہے لیکن تاریخ کی سچی شہادت نے ان حواشی کو اسی کے ذیل میں قلمبند کرنے پر اُسے مجبور کیا۔ اب یہ حواشی ایسے ہیں کہ جن سے خود ہی اُس نے اپنے نفسانی جوش سے لکھے ہوئے فقروں کی کُلی طور پر تردید کر دی ہے۔ اگرچہ حواشی کے لکھنے میں بھی مصنف صاحب نے تعصب کی وجہ سے بخل سے کام لیا ہے لیکن انکا تضاد ایسا عیان ہے کہ کوئی احتیاط اور غور سے پڑھنے والا اسپر نوٹس لیے بغیر عبور نہیں کر سکتا۔ اور مصنف کے دل کے اضطراب کیحالت سے ناواقف نہیں رہ سکتا۔ متن میں تو لکھا ہے کہ قرآن شریف کی آیتوں اور سورتوں میں کوئی معین ترتیب اور ربط موجود نہیں تھا۔ اور حواشی میں تاریخی شہادت اس کے موجود ہونیکے ثبوت میں پیش کی گئی ہے۔ متن میں لکھا ہے کہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورتوں کے نام ہی مقرر کیے اور نہ ہی انکی تعداد معین فرمائی۔ لیکن حاشیہ میں صاف لکھا ہے کہ اس بات کی تاریخی شہادت موجود ہے کہ سورتونکی تعیین و تقسیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی تھی اور انکی صورتوں کو بھی آپ نے معین فرمادیا تھا۔ بعض کلمات جو نفسانی بخل کی وجہ سے مصنف نے انکے ساتھ حاشیہ میں لکھے ہیں جیسے "بعض حصص" اور "کسی حد تک" وغیرہ یہ صرف انکی طبیعت کے جوش تعصب کا اقتضا تھا۔ یہ غور کا مقام ہے کہ جبکہ حاشیہ میں صاف طور پر اس بات کو ولیم میور جیسے متعصب معاند نے تسلیم کیا ہے کہ قرآن شریف کی ستر سورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مرتب اور منتظم موجود تھیں جن میں وہ لکھتے ہیں کہ سات لمبی سورتیں بھی شامل تھیں تو پھر باقی کی چوالیس (۴۴) سورتوں کی نسبت جو نمازوں میں عام طور پر پڑھی جاتی تھیں کیونکر گمان ہوسکتا ہے کہ وہ اُسوقت اس حالت میں موجود نہ تھیں۔ اور لُطف کی بات یہ ہے کہ خود مصنف نے ان باقی چوالیس (۴۴) سورتوں میں ترتیب کے نہ ہونیکے متعلق کوئی شہادت پیش نہیں کی۔ پس اگر اور کوئی شہادت ترتیب سور و آیات پر نہ بھی ہوتی تو ایک مخالف معترض کے اس بیان سے ہی یہ یقین کرنیکے لیے کافی وجوہات پیدا ہوتے ہیں کہ سورتیں اور آیات منتظم اور مرتب صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھیں۔ اور پھر اسی نتیجہ کے مؤید اس مخالف مصنف کا یہ اقبال ہے کہ بعض صحابہ ایسے بھی موجود تھے جو نہ صرف بعض حصص کو صرف حافظہ سے دوہرا سکتے تھے بلکہ کل کے کل قرآن شریف کو اسی طرح دوہرا سکتے تھے۔ اور اعلیٰ درجہ کی "احتیاط صحت" کے ساتھ وہ یہ کر سکتے تھے۔

عیسائی مصنفوں اور منقدوں کا یہ پرانا لغو اعتراض کہ قرآن شریف کی آیات اور سور میں کوئی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی اسکی اصل بنا صرف عربی زبان سے ناواقفیت پر ہے۔ جیساکہ مَیں نے پہلے کہا ہے اس مختصر مضمون میں اتنی گنجایش نہیں ہوسکتی کہ ہم اس اندرونی شہادت پر غور کرسکیں یا تفصیل سے ترتیب کے متعلق کچھ لکھ سکیں۔ مثال کے لیے مَیں ایک دفعہ پیش

کرتا ہوں جس سے ناظرین کو اتنی بات سمجھ آجائیگی کہ جہاں مخالفین نے ٹھوکر کھائی ہے وہاں ایک بڑی بھاری خوبی پوشیدہ ہے اور جن آیات کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ان میں کوئی ربط نہیں وہاں دراصل ایک ایسا گہرا تعلق مخفی ہے جو بتا رہا ہے کہ یہ ترتیب انسانی تجویز سے نہیں بلکہ حکیم خدا کی طرف سے ہے۔ سورہ بقرہ کی یہ چار آیتیں لو۔ ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین ٥ الذین اذا اصابتھم مصیبة قالوا انا لله وانا الیه راجعون ٥ اولٰئك علیھم صلوات من ربھم ورحمة واولٰئك ھم المھتدون ٥ ان الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیه ان یطوف بھما ومن تطوع خیرًا فان الله شاکر علیم۔ خلاصہ مطلب ان آیات کا یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم مومنوں کو کچھ خوف اور بھوک اور مال اور جان اور پھلوں کے گھاٹے سے آزمائیں گے۔ اور خوشخبری دو صبر کرنیوالوں کو (یعنی ان لوگوں کو کہ جب انکو کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو یہی بات انکے منہ سے نکلتی ہے کہ ہم اللہ کے ہی ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جانیوالے ہیں) ایسے لوگوں پر انکے رب کی طرف سے صلوات اور رحمت ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں بیشک صفا اور مروہ خدا کے شعائر میں سے ہیں پس جو شخص حج یا عمرہ کرے تو اسپر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کا بھی طواف کرے اور بات تو یہ ہے کہ جو کوئی بھی نیکی خوشی اور رغبت سے کرتا ہے پھر اللہ بھی بڑا قدردان اور خوب واقف ہے" اب ایک شخص جو تدبر اور غور سے کام نہیں لیتا یہ خیال کریگا کہ اس آخری آیت کا جس میں صفا اور مروہ کے طواف کا ذکر ہے پہلی آیات سے جن میں مصایب پر صبر کرنیکا ذکر ہے کوئی تعلق نہیں اور وہ جھٹ بول اُٹھیگا کہ یہ کلام بے ربط ہے اور آیات میں کوئی ترتیب نہیں اور درحقیقت اس قسم کی نافہمیوں سے ہی یہ اعتراض پیدا ہوا ہے۔ مگر تدبر سے کام لینے والا اور کلام الٰہی میں غور کرنیوالا خوب سمجھ سکتا ہے کہ اس آخری آیت کو آیات ماسبق سے ایک ایسا گہرا اور عجیب تعلق ہے جو ظاہر کر رہا ہے کہ یہ ترتیب وحی الٰہی سے ہے نہ کسی انسان کی کوشش اور فکر کا نتیجہ۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماسبق کی آیات میں ایک اصل کو بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر بعض وقت اپنے بعض مصالح سے کچھ مصایب بھی کسی کسی قسم کے بھیج دیا کرتا ہے۔ پر جو لوگ ایسے وقت میں صبر کرتے ہیں انکے لیے بڑی بھاری خوشخبری ہے یعنی انپر خدائے تعالیٰ کی بڑی بڑی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ اب یہ صرف ایک دعویٰ تھا۔ آخری آیت اسی کی دلیل ہے۔ وہاں فرماتا ہے کہ صفا اور مروہ وہ دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حضرت ہاجرہ کو ایک مصیبت پیش آئی تھی اور انہوں نے نہایت استقلال اور صبر کے ساتھ اسے برداشت کیا یعنی وہ اسجگہ تنہا ایک بچہ کے ساتھ چھوڑی گئیں مگر انہوں نے رضا بالقضا کا سچا نمونہ دکھایا اور اس ابتلا کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا خوشی سے قبول کیا۔ اسکا اجر خدا تعالیٰ نے اس وعدہ کے مطابق جو پہلی تین آیتوں میں کر چکا ہے یہ دیا کہ انپر بڑی بڑی رحمتیں اور برکتیں نازل کیں۔ اور انکے بچہ حضرت اسمٰعیلؑ کو ایک عظیم الشان قوم کا مورث اعلیٰ بنایا اور انکا نام ہمیشہ کے لیے دنیا میں ایک یادگار چھوڑا اور انکی نسل میں خاتم النبیین کو پیدا کیا۔ بلکہ ان مقامات کو بھی جہاں وہ تنہا چھوڑی گئے تھے

ایسی عزت بخشی کہ وہ ایک دنیا کے لیے مرجع اور طواف گاہ بنے پس یہ ثبوت ہے کہ جو لوگ مصایب پر خدا تعالیٰ کی رضا اور اسکی خوشنودی کیلیے صبر کرتے ہیں انپر واقعی خدا کی طرف سے رحمتیں اور برکات نازل ہوتی ہیں۔ اور پھر آخر میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ معاملہ کوئی ابراہیم کے ساتھ یا کسی گذشتہ زمانہ سے مخصوص نہیں بلکہ انکا جو خدا کی خاطر نیکی کرتا ہے خدا اس نیکی کی بڑی قدر دانی فرماتا ہے۔ اسکا ثبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے جان نثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیوں کے واقعات ہیں کہ انہوں نے مصایب پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے اجر عظیم انکو عطا فرمائے۔ غرضکہ ان آیات میں جنپر ایک کوتہ اندیش بے ربطی کا اعتراض کر سکتا ہے۔ ایسا عجیب تعلق موجود ہے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ آیات کا یہ تعلق اور جوڑ اسی حکیم خدا کی طرف سے ہے جسنے قرآن کریم جیسی عجیب کتاب کو نازل فرمایا ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہے کہ قرآن شریف کی آیات میں بے ترتیبی کا ادعا صرف قرآن کریم کے نکات لطیفہ اور معانی دقیقہ کے نہ سمجھنے پر اور ان سے آگاہ نہ ہونے پر مبنی ہے۔ اور چونکہ صرف اسی ایک فرضی خیال پر تمام تاریخی شہادت کی طرف سے بھی بے توجہی کی گئی ہے اس لیے اس خیال کی غلطی کو ظاہر کرنیکے بعد اب ہم ان تاریخی شہادت کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ طالبان حق کے دل اس دوہرے ثبوت سے پورا اطمینان اور تسکین پاویں۔ یہ دعویٰ کہ ایک ایک آیت جب نازل ہوتی تھی تو اسے یونہی بلا ترتیب رہنے دیا جاتا تھا اور کوئی نہ جانتا تھا کہ کونسی آیت کس سورۃ کی ہے اور کہاں رکھی جاویگی بدیہی طور پر ایک لغو دعویٰ ہے اور کسی تردید کا محتاج نہیں۔ جبکہ یہ بات ثابت ہے کہ قرآن شریف حفظ کیا جاتا تھا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کم و بیش کچھ نہ کچھ حصہ حفظ کرتے جاتے تھے تو اگر آیات کی ہی کوئی ترتیب نہ تھی تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ کوئی معین حصہ کوئی شخص حفظ کر لیتا کیا یہ قیاس میں آ سکتا ہے کہ ہر ایک شخص بجائے خود ایک ترتیب دیکر قرآن شریف کو حفظ کرتا ہو اور اسطرح جتنے صحابی حفظ کرنیوالے ہوں اسیقدر مختلف ترتیبیں آیات کی مروج ہوں؟ پھر یہ بھی ثابت ہے کہ قرآن شریف لکھا بھی جاتا تھا اور بعض سورتوں کے مکمل نسخوں کا عام طور پر استعمال میں ہونا بھی تاریخ صحیح سے ثابت ہے۔ پس ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ہر ایک نسخہ ایک جداگانہ ترتیب سے لکھا جاتا تھا؟ یہ کیسا پر از حماقت دعویٰ ہے کہ ایک ہی ترتیب سب صحابی ملحوظ نہیں رکھتے تھے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ہر ایک حفظ کرنیوالا ایک الگ ترتیب کا پیرو ہو اور ہر ایک نسخہ جو لکھا جاتا ہو وہ جداگانہ ترتیب سے لکھا جاتا ہو اور نہ کوئی دو پڑھنے والے اور نہ کوئی دو نسخے ایک ہی سورۃ کے باہم کسی ایک ترتیب پر متفق ہوں اور نہ ہی حافظ اور تحریر کا باہم کسی ایک ترتیب پر اتفاق ہو۔ گویا ایک ایک سورۃ کی ہزارہا الگ الگ ترتیبیں موجود تھیں۔ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ جب نمازوں میں قرآن شریف پڑھا جاتا تھا تو کیا ہر ایک پڑھنے والا ایک الگ ترتیب کوئی حصہ پڑھ دیا کرتا تھا؟ ایسی صورت میں کوئی مقتدی یہ کب کہہ سکتا تھا کہ اس نے کونسا حصہ قرآن شریف کا پڑھا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ایسی ضخیم کتاب جو اسطرح شب و روز عام مجمعوں میں اور گھروں کے اندر پڑھی جاتی تھی وہ ایک ایسی بے ترتیب صورت میں تھی کہ کسی فقرہ کے متعلق کوئی نہ کہہ سکتا تھا کہ یہ کہاں کا فقرہ ہے۔ اور ہزارہا آدمی جو شب و روز

اس کی تلاوت کرنے تھے وہ سب جس طرح کسی کا جی چاہا کوئی فقرہ آگے اور کوئی فقرہ پیچھے پڑھ دیتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہر ایک سورۃ کی آیات تو معین تھیں اور اس طرح صحابہؓ کو یہ علم تو دیا گیا تھا کہ فلاں سورۃ میں فلاں فلاں آیات ہیں مگر ہر ایک سورۃ کی آیات کی بجائے خود کوئی ترتیب نہیں تھی تو یہ دعویٰ بھی اس دلیل سے مردود ثابت ہوتا ہے جس سے وہ پہلا دعویٰ کہ سارا قرآن شریف ایک بے ترتیبی کی حالت میں پڑا ہوا تھا غلط ثابت ہوتا ہے۔ ان دعاوی کی لغویت کو ثابت کرنے کے لیے اگر اور کوئی دلیل ہمارے ہاتھ میں نہ بھی ہوتی تو صرف یہی ایک دلیل جس کی بنا معتبر سے معتبر روایات پر ہے کافی تھی کہ قرآن شریف حفظ کیا جاتا تھا۔ کیونکہ بغیر ایک ترتیب کی پیروی کے حفظ کرنا محال تھا۔ مثلاً اسی دعوے پر غور کرو کہ ہر ایک سورۃ میں آیات تو معین تھیں مگر انکی ترتیب معین نہ تھی۔ اب سَو سَو آیات کی بہت سی سورتیں موجود ہیں۔ پس اگر ان سَو آیتوں میں کوئی ایک ترتیب نہ تھی اور ہر ایک لکھنے والا اور ہر ایک پڑھنے والا ایک الگ ترتیب کی پیروی کرتا تھا۔ تو سَو آیات کی جداگانہ ترتیبیں اسقدر تعداد تک پہنچتی ہیں کہ لاکھ آدمیوں میں سے کوئی دو بھی ایک ترتیب پر متفق نہ ہو سکتے تھے۔ اس صورت میں ہر ایک سورۃ گویا لاکھوں الگ الگ سورتیں تھیں اور قرآن کریم بھی ایک نہ تھا بلکہ لاکھوں الگ الگ قرآن شریف تھے۔ ایک لمحے کے لیے بھی اگر ایک شخص حق طلبی اور خدا ترسی کو دل میں لیکر غور کرے تو وہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ بالکل محال تھا کہ بغیر ایک ترتیب کی پیروی کے قرآن شریف کی تعلیم اور تعلّم کا سلسلہ جاری رہ سکتا۔ نہ ہی ہزارہا صحابیوں میں سے ایک دوسرے کی نسبت یہ کہہ سکتا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے کونسا حصہ یا کونسی سورۃ پڑھ رہا ہے اور واقعی صحیح پڑھ رہا ہے یا غلط۔ علاوہ ازیں صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جب ایک شخص کوئی سورۃ یا کوئی حصہ کسی سورۃ کا پڑھتا اور اس سے کوئی غلطی ہو جاتی یا کوئی آیت درمیان سے رہ جاتی تو سننے والے معاً اس کی غلطی کو نکال دیتے۔ حالانکہ اگر ترتیب آیات کوئی نہ ہوتی تو یہ محال تھا کیونکہ کسی دوسرے کی نسبت کسی شخص کو کیا علم ہو سکتا تھا کہ وہ کس آیت کو پڑھتا ہے ایسی صورت میں غلطی کا نکالنا قطعًا ممکن نہ تھا۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی آیات میں ضرور کوئی خاص ترتیب ملحوظ رکھی جاتی تھی جسکے موافق لوگ اُسے پڑھتے تھے اور حفظ کرتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ ترتیب ترتیب نزولی کے موافق تھی یا اس سے الگ کوئی اور ترتیب تھی۔ اسکا جواب معتبر تاریخی شہادت سے ہمیں یہی ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ترتیب نزولی سے الگ ایک ترتیب آیات کو دیا کرتے تھے۔ نزول آیات کے لحاظ سے ایسا ہوتا تھا کہ بعض وقت ایک سورۃ کی کسی حصہ کے نزول کے بعد دوسری کسی سورۃ کا حصہ نازل ہو جاتا۔ پس ایسی حالت میں نزولی ترتیب ممکن نہ تھی۔ علاوہ ازیں صحیح روایات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ میں فلاں جگہ رکھا جاوے۔ جیسا کہ حضرت عثمانؓ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ عن عثمان ابن عفان قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما یأتی علیہ الزمان ینزل علیہ من السور

ذوات العدد فکان اذا انزل علیہ الشئ یدعو بعض من یکتب عندہ فیقول ضعوا ھٰذا فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ ہمیشہ کا معمول تھا کہ جب کئی سورتوں کی آیتیں نازل ہوتیں تو آپ صریح طور پر اس موقعہ کی ہدایت فرما دیا کرتے تھے جہاں کوئی آیت بلحاظ ترتیب رکھی جانی ضروری ہوتی پس اس صریح اور بین شہادت سے بھی یہ ظاہر ہے کہ آیات کی ترتیب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تھی۔ ایسی شہادت کی موجودگی میں کوئی سمجھدار آدمی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور آیات کو ترتیب دیتے تھے اور وہ ترتیب ترتیب نزولی سے جداگانہ تھی۔

اب دو باتیں حل ہو چکیں یعنی ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیات قرآنی کو ترتیب دیتے تھے اور دوسری یہ کہ وہ ترتیب ترتیب نزولی سے الگ تھی۔ اس لیے اب صرف یہ تیسرا سوال حل کرنیکے قابل باقی ہے۔ کہ کیا وہ ترتیب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اسی کے موافق موجودہ ترتیب آیات قرآنی کی ہے۔ یا یہ موجودہ ترتیب ترتیب نبوی سے الگ ہے۔ یہ امر تو بین ہے کہ موجودہ ترتیب بھی ترتیب نزولی سے الگ ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب نزولی سے الگ ترتیب دی تھی۔ پس اگر کوئی شہادت اس امر کی نہ پائی جائے کہ قرآن کریم کی تاریخ میں کسی وقت آیات کی ترتیب کو بدلدیا گیا تھا تو یہ نتیجہ قطعی اور یقینی ہوگا کہ موجودہ ترتیب بعینہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ اس سوال کا جواب دینے کے لیے تاریخ قرآن کریم کو ہم دو زمانوں پر تقسیم کرتے ہیں یعنی اول حضرت عثمانؓ سے پہلے اور دوئم حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ اور آپکے بعد۔ ان میں سے ایک زمانہ کے متعلق یعنی حضرت عثمانؓ کے زمانہ کے بعد جو زمانہ گذرا ہے اس کے متعلق اسلام کے کسی سخت سے سخت دشمن اور اندھے سے اندھے نکتہ چین نے بھی یہ اعتراض نہیں کیا کہ جو ترتیب حضرت عثمانؓ کے وقت میں اور آپکے شایع کردہ صحیفوں میں موجود تھی اس میں آجتک ایک سرمو کا فرق بھی آیا ہے پس اس بات کو ثابت کرنیکے لیے قرآن کریم کی ترتیب آجتک نہیں بدلی۔ اور وہی ترتیب سورتوں اور آیتوں کی اسوقت قرآن کریم میں موجود ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں آپ کی ہدایت کے ماتحت دیگئی تھی۔ اب صرف یہ دکھانا باقی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لیکر حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک کسی موقعہ پر اصلی ترتیب کو تبدیل نہیں کیا گیا۔ اور حضرت عثمان کے زمانہ کے صحیفوں میں وہی ترتیب ملحوظ رکھی گئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھی۔ ایک موٹی سے موٹی سمجھ کا آدمی بھی اتنی بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو ترتیب کے بدلنے کیلیے کوئی چیز محرک نہ تھی۔ یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاص ترتیب قرآن شریف کی تلاوت میں ملحوظ رکھتے تھے اور اس ترتیب پر صحابہؓ نے قرآن شریف کو حفظ کیا ہم اوپر دکھا چکے ہیں اور یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ یہ ترتیب ترتیب نزولی سے الگ تھی۔ اب جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے یا کسی اور شخص نے اس ترتیب کو جبکہ صحابہؓ اور حافظان قرآن قایم ہو چکے تھے تبدیل کر دیا تھا۔ یہ بار ثبوت اسپر ہے کہ وہ ایسی تبدیلی کی شہادت پیش کرے۔ اور جبتک کوئی ایسی شہادت نہ ہو اسکا دعویٰ یقینی اور قطعی طور سے باطل ثابت ہوگا مگر

ہم جب حدیث صحیح کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ایک شمہ بھر بھی ایسی شہادت ہمیں نہیں ملتی۔ اور نہ ایسا یقین کرنیکے کوئی وجوہات پائے جاتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے وقت تک کوئی ایسا زمانہ نہ گذر گیا تھا کہ ساری صحابہؓ کے بالمقابل ایک آدمی کو یہ جرأت ہو سکتی کہ وہ اس ترتیب کو بدلدے جس پر سب قایم تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فوت ہوئے ابھی بارہ سال ہی گذرے تھے۔ اور ہزارہا صحابہؓ اسوقت زندہ تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے قرآن شریف سنا ہوا تھا۔ اگر کوئی تبدیلی ترتیب میں اسوقت وقوع میں آتی تو ایسا واقعہ خاموشی سے نہ گذر سکتا تھا بلکہ ایک ایسا شور برپا ہوتا جسکے ذکر سے تاریخ کے صفحوں کے صفحے بھر جاتے۔ اور اوّل تو یہی بات سوچنے کی ہے کہ حضرت عثمانؓ کو غرض کیا تھی کہ وہ ترتیب بدلتے۔ اور کونسی ضرورت پیش آئی تھی کہ ترتیب بدلی جاتی۔ نہ کوئی ضرورت پیش آئی نہ کوئی غرض کسی کو تھی نہ ہی اس امر کا کہ ترتیب بدلدی گئی تھی کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی ذکر پایا جاتا ہے۔ پس ایسا دعویٰ کہ حضرت عثمانؓ نے ترتیب کو بدلدیا تھا سراسر حماقت اور لغویت سے پُر ہے۔ اور حد درجہ کی جہالت یا سخت تعصب کا نتیجہ ہے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو صحیفے نقل کرائے وہ سارا انکا اپنا یا زید کا کام نہ تھا بلکہ دیگر صحابیؓ بھی اس میں شامل تھے۔ اور وہ تمام صحابہؓ جو علم اور حفظ قرآن شریف میں خاص شہرت رکھتے تھے انہی کی زیر نگرانی حضرت عثمانؓ نے یہ کام کرایا تھا۔ اسکو بھی چھوڑو۔ ہم کہتے ہیں کہ کم از کم کوئی یہی دکھادے کہ حضرت عثمانؓ پر اسوقت کسی نے یہ الزام دیا تھا کہ آپنے قرآن شریف کی سورتوں یا آیتوں کی ترتیب بدلدی ہے۔ اگر کوئی الزام آپ پر دیا گیا تو وہ یہ تھا کہ آپنے مسلّم قرأت کے سوا بعض اور قرأتوں کو روکا مگر اسکی اصلیت کیا تھی یہ میں دوسرے موقعہ پر دکھاؤنگا جب قرأت مختلفہ کی مضمون کچھ لکھونگا۔ بہرحال آیتوں کی ترتیب کے بدل دینے کی ایک ذرہ بھر بھی شہادت موجود نہیں۔ اور ایسی شہادت کی عدم موجودگی میں یہ ماننا پڑیگا کہ قرآن شریف کی ترتیب آیات وہی رہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھی۔

ایک امر کے قطعی ثبوت کے لیے دو ہی قسم کی شہادت ہو سکتی ہے اول یہ کہ اسکے خلاف کوئی شہادت موجود نہ ہو دوسری یہ کہ اسکی تائید میں زبردست شہادت موجود ہو۔ قسم اوّل کی شہادت ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور یہ دکھا چکے ہیں کہ قرآن کریم کی تاریخ میں کوئی وقت بھی ایسا نہیں آیا کہ جس میں اسکی آیتوں کے موجودہ انتظام میں کوئی ذرہ بھر بھی تغیر و تبدل واقع ہوا ہو۔ اس قسم کے ثبوت کے علاوہ کثرت سے دلایل بدیہیہ یقینیہ قسم ثانی کے بھی موجود ہیں۔ جو اور بھی وضاحت سے اس امر کو پایۂ ثبوت پہنچاتی ہیں۔ یہ وہ دلایل ہیں جو احادیث صحیحہ سے مستنبط ہوتی ہیں۔ جیسے مثلاً حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے باب فضل سورۃ البقرہ کے ضمن میں ایک حدیث نقل کی ہے۔ عن ابی مسعود رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ بالآیتین من اٰخر سورۃ البقرۃ فی لیلۃ کفتاہ۔ جسکا ترجمہ یہ ہے کہ "حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی رات میں سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھے تو یہ اسکے لیے کافی ہیں" یہ حدیث جسکا یہاں ترجمہ دیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ

میں منقول ہے۔ اس سے دو باتیں مستنبط ہوتی ہیں۔ اولاً اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن شریف کی ایک ترتیب کی نگہداشت فرماتے تھے۔ اور وہ ترتیب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم پر منکشف فرمائی۔ اور پھر ان سب کا اُسی ترتیب پر عمل رہا کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی سورۃ کی آخری دو آیتوں کی طرف اشارہ نہ فرماتے۔ اور نہ ہی صحابہؓ آپ کے اس اشارہ کو سمجھ سکتے۔ یہ حدیث اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ ہر ایک آیت قرآنی کے لیے ابتدا ہی سے ایک معین اور معروف مقام قرآن شریف میں ہے۔ اور کسی قاری یا حافظ یا عام پڑھنے والے کو حق نہیں پہنچتا کہ اُنکی ترتیب میں ایک بال کے برابر بھی تبدیل کر سکے۔ ثانیاً۔ اس حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آج اس زمانہ میں سورۃ البقرہ کا جن آیات پر خاتمہ ہوتا ہے وہی آیات سورۃ البقرہ کے خاتمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رحمت مہد میں شروع سے لکھی ہوئی تھیں۔ اور اس سے یہ بات بہت اچھی طرح پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ قرآن شریف کی موجودہ ترتیب وہی ترتیب ہے جو شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ اور جو آپکی حیات میں عام طور پر زیر عمل و استعمال تھی۔ اسی کی تائید میں ایک دوسری حدیث میں یوں آیا ہے کہ سورہ بقرہ کی آیتہ اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ سے شروع ہو کر اخیر سورۃ یعنی وانصرنا علی القوم الکافرین تک پڑھے۔ جس سے اس بات کی اور بھی واضح طریق سے تعیین ہوتی ہے کہ یہی دو آیتیں جو اب سورہ بقرہ کے اخیر میں ہیں یہی دونوں مسلّم اور مشہور طور پر آنحضرتؐ کے وقت میں بھی اسی سورۃ کی آخری آیتیں تھیں۔ ایسا ہی ایک اور حدیث صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ خروج دجّال میں سورۃ الکہف کی پہلی دس آیتیں پڑھنے کا حکم کیا ہے۔ اب اس جگہ غور کا مقام ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں قرآن شریف کی کوئی ترتیب موجود نہ ہوتی یا اصل ترتیب میں کوئی فرق اور تبدل واقع ہونیوالا ہوتا تو خروج دجّال کے متعلق جو کسی آیندہ زمانہ میں ہونیوالا تھا اسوقت کے مسلمانوں کیلیے سورۃ الکہف کی پہلی دس آیتوں کا نشان دینا ایک بے معنی بات ہوتی۔ اور اُن آیتوں کا پتہ ہی نہ ملتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا اس حدیث میں تھی۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں وارد ہے جسکا جی چاہے دیکھ لے۔ عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حفظ عشر اٰیات من اول الکہف عصم من الدجّال۔ سورۃ الکہف کی ان پہلی دس آیتوں میں مسیح کے ابن اللہ مانے جانیکے اعتقاد کی زور سے تردید درج ہے اور یہی ایک اہم مسئلہ ہے جس سے قرآن شریف کی رو سے دجّال کی شناخت ہوتی ہے۔ جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد انہی دس آیتوں سے تھی۔ جو اب سورہ کہف کے ابتدا میں موجود ہیں۔ اور یہ کہ انکی ترتیب میں آجتک اسقدر زمانہ گذر جانیکے باوجود بھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکی۔ اس حدیث سے یہ بات مضبوط طور پر ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن شریف کی ایک ترتیب موجود تھی اور وہ ترتیب ہی آجتک غیر متبدل طور پر چلی آئی ہے۔ ان کے ماسوا اور بھی بہت سی حدیثیں اس مضمون پر موجود ہیں۔ لیکن ہمارے

نزدیک اس بات کا قطعی فیصلہ کرنیکے لیے اسی قدر کافی ہیں۔ زیادہ طول ناظرین کی خاطر عاطر کے لیے بار گراں ہو جائیگا خیال سے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ پھر اگر ضرورت سمجھی گئی تو اور شہادت بھی لکھی جائے گی۔ تمام اسلامی لٹریچر میں ایک حدیث بھی ایسی نہ پاؤ گے کہ جس میں موجودہ ترتیب آیات قرآنی کے خلاف کسی اور ترتیب کا ذکر تو کیا اشارہ تک ہی موجود ہو۔ غرض ہر قسم کی سالبہ و مثبتہ و داخلی و خارجی گواہیوں سے یہ بات بلا گنجایش وہم استثنا ثابت اور مبرہن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کو خود جمع و مرتب فرمایا تھا اور وہی ترتیب بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل کے ہمیشہ مسلمانوں میں مستعمل اور مروّج رہی اور آجتک موجود ہے۔ اور زمانہ موجودہ میں نسخہ جات قرآنی اسی ترتیب کے مطابق نہایت احتیاط کے ساتھ لکھے چھاپے اور شایع کیے جاتے ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کو غیر مرتب چھوڑ جاتے تو ضرور تھا کہ صحابہؓ کی اتنی بڑی جماعت میں مختلف ترتیبیں رواج پا جاتیں۔ اور ان مختلف ترتیبوں کا انکے کثیر التعداد ذخیرۂ احادیث میں کہیں نہ کہیں حوالہ یا اشارہ و کنایہ ہی موجود ہوتا۔ لیکن احادیث کے سارے دفتر تلاش کرلو۔ اسلامی تاریخ کی ایک ایک سطر چھان مارو۔ اس بات کا کہیں بھی ذکر تو کیا اشارہ بھی نہ پاؤ گے۔ جبکہ ساری اسلامی کتب احادیث میں یہ بات بطور اشارہ بھی کہیں موجود نہیں کہ اس ایک مسلمہ ترتیب آیات قرآنی کے سوا کوئی اور ترتیب قرآن شریف کی آیات کی کبھی کسی نے کی ہو تو یہ امر صریح طور پر ثابت ہے کہ قرآن شریف کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اور وہی ترتیب صحابہؓ میں مروّج تھی اور پھر وہی ترتیب نہایت احتیاط سے محفوظ ہو کر تمام اسلامی دنیا میں تا ایندم مروّج ہے۔ کہیں کسی جگہ کسی تبدیلی و تغیر کا ذکر نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک حدیث ایسی ہے جسمیں لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قرآن شریف کو ترتیب نزولی کے موافق جمع کیا تھا۔ لیکن اگر ہم فرض کے طور پر اس حدیث کو صحیح بھی مان لیں تو بھی ہمارے مدعا کے خلاف نہیں بلکہ اسی نتیجہ کی تائید کرتی ہے جسپر ہم پہنچے ہیں۔ یعنی اسی بات کی مؤید ہے کہ موجودہ ترتیب قرآنی ہی ایک ترتیب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مروّج تھی۔ اگر حضرت علیؓ کا ترتیب نزولی کے مطابق قرآن شریف جمع کرنیکا بیان صحیح بھی ہے تو اسکا مذکور بغرض بیان واقعہ اختلاف ترتیب ہائے قرآنی نہیں کیا گیا بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ چونکہ عام طور پر ترتیب نبوی مسلمانوں میں مسلّم اور مروّج ہو چکی تھی حضرت علیؓ کی طرف اس منسوبہ واقعہ کو بطور استعجاب بیان کیا گیا۔ لیکن حضرت علیؓ کا اس نزولی ترتیب کو کبھی عام طور پر مشتہر کرنیکا منشا نہ تھا اور نہ ہی انکا یہ منشا تھا کہ اس ترتیب سے قرآن کریم کی تلاوت کیجاوے۔ انکا منشا صرف اسقدر ہوگا کہ ایک تاریخی شہادت نزول کی موجود رہے۔ ہاں اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی تیسری ترتیب بھی موجود ہوتی تو ضرور تھا کہ اسکا ذکر بھی کہیں نہ کہیں کسی پیرایہ میں موجود ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی طرف منسوبہ ترتیب پر کبھی عمل نہیں کیا۔ کیونکہ آپنے جو ترتیب کی تھی وہ الہام الٰہی کی بنا پر ربط و ضبط مضمون اور سیاق و سباق عبارت کے لحاظ سے کی تھی۔ وہ نزول

آیات کے زمانہ کے لحاظ سے نہ تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ نزول آیات قرآنی کی تاریخی ترتیب کو محفوظ کر لیا جائے۔ چنانچہ اسی خیال کو دل میں رکھکر انہوں نے ترتیب محولہ بالا کر چھوڑی ہوگی۔ یہ بات کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتی کہ حضرت علیؓ نے یہ ترتیب رواج دینے کی نیت سے کی ہو۔ بلکہ وہ خود اسی ترتیب نبوی کے رواج کے مؤید اور قائل تھے۔ چنانچہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور یہ تجویز کیا گیا کہ قرآن شریف کے نسخے خاص نگرانی کے ساتھ لکھکر لوگوں میں تقسیم کیے جائیں۔ اور اس کام کا اہتمام ایک منتخب مجلس کے سپرد کیا گیا تو ان تہموں کی مجلس کے اراکین عظام میں حضرت علی کرم اللہ وجہ بھی تھے۔ اور فضیلت قرآن دانی کی وجہ سے آپ کا اس بارہ میں بہت کچھ دخل تھا۔ انہوں نے اسوقت ہرگز ہرگز اس ترتیب کا ذکر بھی نہیں کیا جو انہوں نے وحی الٰہی کی تاریخ محفوظ کرنیکے لیے کی تھی۔ اور نہ ہی کسی اور ترتیب کا سوائے اس موجودہ ترتیب کے کوئی تذکرہ کیا بلکہ نہایت محنت شاقہ اور احتیاط کے ساتھ نبوی ترتیب کے مطابق قرآن شریف کے نسخے لکھوائے اور صحیح کیے اور کرائے۔ اور انکو مسلمانوں میں تقسیم کیا۔ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہ کے خیال میں اس کے سوائے کوئی اور ترتیب بھی ہوتی تو یہ بات انکی شان سے بالکل بعید تھی کہ وہ خاموشی سے اسی ترتیب موجودہ کو اپنی معلومات اور کانشنس کے برخلاف لکھے جاتے اور مروّج کیے جاتے بلکہ نہ صرف اجازت ہی دیتے بلکہ خود عقد ہمت باندھکر اسی ترتیب نبوی کے مطابق قرآن شریف لکھاتے اور اسکو عام طور پر مسلمانوں میں رواج دینے کی کوشش کرتے۔ وہ تو ایسے دلیر اور شجاع تھے کہ کسی قسم کا دباؤ اور لحاظ انکے سچے خیالات کے اظہار اور تعمیل سے انکو نہ روک سکتا تھا۔ اس لیے اگر انکو کچھ اختلاف ہوتا تو فوراً اعتراض کر دیتے اور اگر اعتراض نہ کرتے تو کم از کم اس مجلس میں شریک ہونے سے ہی انکار کر دیتے۔ بلکہ برخلاف اسکے جس ترتیب پر تمام جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق اور عمل تھا جو موجودہ ترتیب قرآن کریم کی ہے۔ اسی پر بلا اعتراض حضرت علی کرم اللہ وجہ بھی متفق اور عامل تھے۔ اور اوپر اسبات کو واضح کر دیا گیا ہے کہ ترتیب نبوی دراصل ترتیب سیاقی ہے اور اس ترتیب سے بالکل مختلف ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہ نے ترتیب نزولی کے لحاظ سے وحی الٰہی کی تاریخ کا علم محفوظ رکھنے کے لیے کی تھی۔ قرآن شریف کے نزول کی ترتیب کو بغرض حفظ تواریخ محفوظ کر لینے میں کیا مضایقہ تھا؟ سوال تو صرف یہی تھا کہ آیا انہوں نے اس ترتیب کو ترتیب قرآنی کے نام سے موسوم کر کے عام طور پر مروّج کرنیکی کوشش تو درکنار ارادہ بھی کبھی کیا؟ لیکن اُنکے قول و فعل سے نہ انکی اس بارہ میں کوشش ہی ظاہر ہوتی ہے اور نہ ہی انکا ارادہ ثابت ہوتا ہی۔ پس پھر کیونکر یہ ترتیب اس میدان میں ذکر کے قابل ٹھہر سکتی ہے۔ اس ترتیب کو تو قرآن شریف کی ترتیب ہی نہیں کہہ سکتے۔ اگر بالفرض یہ امر کسی طرح مانا جائے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قرآن شریف کو ترتیب موجودہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہ نے رواج دینے پر کسی مصلحت سے سکوت کیا ہوگا۔ اگرچہ انکی شان میں ایسے گمان سے انکی بے ادبی اور ہتک متصور ہے۔ لیکن اگر یہ امر ایسا ہی ہوتا تو پھر اسکی اصلاح اور تلافی اس زمانہ میں بآسانی ہو سکتی تھی جبکہ خدا تعالیٰ نے اُنکے اپنے سر پر خلافت کی عزت و جلال کا

تاج رکھا۔ جب آپ کی خلافت کا زمانہ آیا تو اسوقت تو اُنکے لیے کوئی روک نہ تھی۔ اگر قرآن شریف کی مسلمہ مروجہ ترتیب میں انکو کوئی اختلاف ہوتا تو فوراً سب سے پہلے اسکی اصلاح کرنا انکا فرض تھا۔ اُنہوں نے تو اپنے زمانہ خلافت میں بھی اُسی ترتیب کو رواج دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مروّج تھی اور پھر جسکے مطابق انہوں نے خود حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قرآن شریف لکھوائے اور تقسیم کیے تھے۔ لیکن باوجود لتنے بڑے اقتدار اور رسوخ کے انہوں نے نہ تو کبھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور نہ ہی حضرات عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کی خلافتوں میں، اور نہ ہی اپنے زمانہ میں اس ترتیب موجودہ پر (جو در اصل ترتیب نبوی ہے) اعتراض کیا۔ اور نہ کبھی خلوت میں، اور نہ کبھی جلوت میں، اس بات کا ذکر ہی کیا کہ موجودہ ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کی ہوئی نہیں اور نہ ہی کبھی یہ ذکر کیا کہ قرآن شریف کی آیتیں اور سورتیں جس ترتیب کے ساتھ موجود ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی تھی۔ بلکہ ترتیب نزولی صحیح ترتیب تھی اور اسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔

ان تمام حالات سے یہ بات آفتاب کی طرح روشن اور ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں اور آیتوں کی وہ ترتیب جسکے مطابق حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قرآن شریف کے نسخے مسلمانوں میں تقسیم کیے گئے تھے۔ حقیقت میں یہ وہی ترتیب ہے جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الہام الٰہی سے کیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کے متعلق اختلاف موجود ہوتا۔ بعض روایات میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کو بعض کلمات کا خاص لہجہ میں پڑھنا بڑا مرغوب تھا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انکا اس طرح پڑھنا ناجائز قرار دیا۔ اسپر حضرت ابن مسعودؓ حضرت عثمانؓ سے کشیدہ خاطر ہوگئے۔ لیکن باوجود اس کشیدہ خاطری کے انہوں نے کبھی کسی وقت اس ترتیب آیات قرآنی پر کوئی جرح و اعتراض نہیں کیا جسکے مطابق حضرت عثمانؓ کے حکم سے قرآن شریف لکھے اور تقسیم کیے گئے تھے۔ نہ ہی انہوں نے کبھی ظاہر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے سوا کوئی اور ترتیب آیات قرآنی مروّج تھی۔

ان مذکورہ بالا واقعات سے یہ امر قطعی طور سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں کی تقسیم اور ہر ایک سورۃ میں آیتوں کی ترتیب جیسے کہ فی زمانا موجود ہے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب کوئی نئی آیت نازل ہوتی تو ساتھ ہی آپ اسکے قرآن شریف میں لکھے جانیکے لیے جگہ بھی مقرر فرما دیا کرتے تھے۔ کبھی کسی صحابی نے اپنے خیال کے موافق کسی آیت کو قرآن شریف میں کسی جگہ لکھنے کی جرأت نہیں کی۔ اور نہ کسی کو ایسا کرنیکا حق پہنچتا تھا۔ مثلاً سورۃ البقرہ جسکو قرآن شریف میں دوسرا نمبر حاصل ہے اسکا اکثر حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے ابتدائی حصہ میں نازل ہوا تھا۔ لیکن اسکی بعض آیتیں آنحضرت صلعم کی وفات کے زمانہ کے قریب نازل ہوئی تھیں۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ وہ آیات جو ممانعت ربوا کے متعلق ہیں آپکے آخری ایام میں نازل ہوئیں۔ یہ آیتیں ترتیب میں ان آیات کے پیچھے

رکھی گئی ہیں جو خیرات اور صدقات کے متعلق ہیں۔ اب ان آیات کو جن میں صدقات و خیرات کے احکام ہیں۔ اور ان آیات کو جن میں ربٰوا کی ممانعت ہے، ایک جگہ لکھنے میں حکمت یہ ہے کہ یہ دونوں احکام غربا اور مساکین کے فایدہ اور آسانی کے لیے دئیے گئے ہیں جن سے ایسے لوگوں کی بہبودی منصوّر ہے۔ جس موجودہ سوسائٹی کی قرآن شریف نے اصلاح کرنی تھی اسکی حالت اسوقت ایسی تھی کہ دونوں احکام کا متفرق اوقات میں دیا جانا ضروری تھا جن لوگوں کو اکل ربٰوا سے منع کرنا تھا ضروری تھا کہ ان میں پہلے اس حکم کے ماننے کی استعداد پیدا کر دیجاتی۔ اس لیے ایک حکم پہلے دیا گیا جو اس راہ میں ایک بڑی بھاری اور پہلی منزل تھی۔ پھر جب اس حکم کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی استعداد انمیں پیدا ہوگئی اور اس پر شرح صدر سے عمل کرنا ان لوگوں پر آسان ہوگیا۔ تو پھر دوسری منزل ان پر منکشف کی گئی یعنی دوسرا حکم انہیں دیا گیا۔ حقیقت میں یہ دونوں احکام آپسمیں بہت گہرا رشتہ رکھتے ہیں اور ضروری تھا کہ بلحاظ ربط مضمون و سیاق عبارت اسی ترتیب کے ساتھ اکٹھے جمع کیے جائیں۔ قرآن شریف کی سورتوں کی تقسیم بھی خود حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ سلم نے فرمائی تھی۔ چنانچہ احادیث صحیحہ میں اکثر سورتوں کے نام اسی زمانہ سے لکھے ہوئے موجود چلے آتے ہیں۔ اور یہ سچی بات ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں کی تقسیم اور ہر ایک سورۃ میں آیات کی ترتیب جسطرح کہ اب مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی کی ہوئی ہے۔ اور یہ ایک ایسی صاف بات ہے کہ نہ تو جماعت صحابہ کبار رضی اللہ عنہم میں سے ہی کسی نے کبھی اسمیں اختلاف کیا اور نہ ہی متاخرین میں سے کبھی کسی کو اختلاف کرنیکی گنجایش پیدا ہوئی آجتک کسی شخص کی نسبت یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے کبھی کہا ہو کہ موجودہ قرآن شریف میں کوئی ایک آیت بھی اپنے اصلی مقام اور اصلی سورۃ سے بلکہ کسی دوسری جگہ یا دوسری سورۃ میں رکھی ہوئی ہے۔ یا یہ ہی کہا ہو کہ فلاں آیت کسی زمانہ میں اس موقعہ پر موجود نہ تھی جہاں کہ وہ اب لکھی ہوئی ہے۔ ایک اور بات اس امر پر زیادہ روشنی ڈالتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اکثر احادیث میں آیات قرآنی کے حوالے بتقید نمبر شمار دیے ہوئے ہیں۔ اور یہ ایسی بات ہے جس سے اس بات کا کافی ثبوت ملتا ہے کہ ترتیب آیات قرآنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مکمل ہو چکی ۔۔۔۔ بھی۔ ہم نے اپنے مدعا کی تائید میں بہت سی مثالیں اور پیش کی ہیں، اسجگہ ایک اور مثال اسی ذیل میں پیش کیجاتی ہے تاکہ ہمارے ناظرین پر یہ امر ذرا اور واضح ہو جائے۔ صحیح بخاری میں ایک حدیث وارد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک دفعہ نماز میں سورۃ انفال کی چالیس آیات پڑھیں۔ پھر اسی حدیث کو محدث عبدالرزاق نے بھی ایک اور سلسلہ رواۃ کی روایت سے نقل کیا ہے فرق دونوں میں صرف اسقدر ہے کہ دوسری روایت میں بجائے اس ذکر کے کہ ابن مسعودؓ نے چالیس آیتیں پڑھیں یہ ذکر ہے کہ سورہ انفال کو اس موقع تک پڑھا جہاں و نعم النصیر ہے (دیکھو فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۱۲) اب جب ہم اس سورۃ کی چالیس آیتیں شمار کرتے ہیں تو آخری آیت جن الفاظ پر ختم ہوتی ہے وہ وہی الفاظ ہیں

جو محدث عبدالرزاق نے اپنی حدیث میں لکھے ہیں۔ گویا یہ دونوں بیان باہم متوافق ہیں۔ اس بات سے یہ امر بہت عمدگی سے پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ قرآن شریف جس ترتیب کے ساتھ آجکل ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے وہی ترتیب زمانہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مروج اور معروف تھی۔ ایسے ہی ایک اور حدیث بخاری سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کے لیے اٹھتے وقت سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات پڑھا کرتے تھے۔ اور چونکہ آپ کی پیروی میں مسلمان بھی یہ آیتیں پڑھتے تھے۔ اس لیے تعالٰی نے ہمیں یہ موقعہ دیا ہے کہ اس ترتیب کا مقابلہ موجودہ ترتیب سے کرسکیں۔ اب تعامل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ دس آیتیں جو رات کو اٹھکر پڑھی جاتی ہیں وہ ہیں جو ان فی خلق السمٰوات والارض سے شروع ہوکر اخیر سورۃ تک چلتی ہیں اور جب موجودہ ترتیب کو دیکھتے ہیں تو یہی آیتیں اب بھی آل عمران کی آخری آیتیں ہیں۔ اس بات سے بھی یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن شریف کی یہی ترتیب مروج اور مستعمل تھی جو آجکل مروج ہے۔ اور یہ کہ سورتوں کی تقسیم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں ہو چکی تھی۔ اس کے بعد دوسرا مسئلہ جسپر غور کرنیکی ضرورت ہے وہ سورتوں کی ترتیب ہے۔ اس مسئلہ پر بحث کرنیکے لیے سب سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ سوائے اُس حال کے جبکہ سارے قرآن شریف کی تلاوت کرنا منظور ہوتا نمازوں میں یا نمازوں کے باہر قرآن کریم پڑھنے کیلیے یہ امر ضروری نہیں خیال کیا جاتا تھا کہ سورتوں کی ترتیب ملحوظ نظر رکھا جائے۔ ہم نے اوپر احادیث کی سند سے ثابت کیا ہے کہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت میں بہت سارے ایسے بزرگ موجود تھے جنکو سارا قرآن شریف ازبر تھا۔ اور وہ لوگ اسے اپنے حافظوں میں تر و تازہ اور ضبط رکھنے کے لیے ہمیشہ تلاوت کرتے رہتے اور مقررہ مدت میں ختم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی پر صحیح بخاری میں ایک باب باندھا ہوا ہے جس کا عنوان یہ ہے "کتنی مدت میں قرآن شریف ختم کرنا چاہیئے" اس باب کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں دی ہیں جن میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو تین دن سے کم عرصہ میں قرآن شریف کا ختم کرنا منع فرمایا تھا۔ اور ایک دوسرے صحابی کو سات دنوں سے کم عرصہ میں قرآن شریف کا ختم کرنا منع کیا۔ ان حدیثوں سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل ظاہر ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو سارا قرآن شریف حفظ تھا وہ ہمیشہ اسکی تلاوت کرتے رہتے تھے اور معمولاً سات دنوں میں ختم کیا کرتے تھے۔ قرآن شریف جیسی بڑی کتاب ایسے محتاط طریق سے حافظہ میں جب ہی محفوظ رہ سکتی تھی کہ اس کی تلاوت پر مداومت کیجائے۔ چنانچہ خود سرور کائنات صلعم نے فرمایا کہ قرآن شریف کو یاد رکھنے کے لیے اسکی ہمیشہ تلاوت کرتے رہنا چاہیئے ورنہ یہ یاد نہیں رہیگا۔ اسلیئے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن شریف کی تلاوت پر مداومت کرتے تھے۔ اب اس بات کا سمجھنا بہت آسان ہے کہ قرآن شریف کو بار بار پڑھنا اور ہر دفعہ ایک معینہ مدت کے اندر ختم کرنا اس امر کا متقاضی ہے کہ اسکی سورتوں کی کوئی ترتیب اور تقسیم موجود ہو۔ ورنہ مداومت کے ساتھ پڑھنا اور ختم کرنا ممکن نہ تھا۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آیا حدیث شریف بھی اسکی تائید کرتی ہے کہ نہیں؟ اس کے متعلق اسقدر لکھنا کافی ہے کہ احمد۔ ابوداؤد وغیرہم نے ایک

حدیث نقل کی ہے جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ سورتوں کی تقسیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی تھی۔ ہم اسجگہ اس حدیث کو نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔ عن اوس ابن ابی اوس حذیفة الثقفی قال کنت فی الوفد الذین اسلموا من ثقیف .... فقال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طرأ علی حزبی من القراٰن فاردت ان لا اخرج حتّٰی اقضیه قال فسالنا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلنا کیف تحزبون القراٰن قال نحزبه ثلاث سور وخمس سور وسبع سور وتسع سور واحدی عشرة وثلاث عشرة وحزب المفصل من ق حتّٰی نختم۔ ترجمہ۔ اوس فرماتے ہیں کہ ثقیف کے اس وفد میں جو اسلام قبول کرنے آئے تھے میں بھی موجود تھا... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کہا کہ مینے اپنی قرآن شریف کی منزل کو پورا کرنا ہے اس لیئے میں ارادہ کرتا ہوں کہ جبتک ختم نہ کرلوں اسوقت تک باہر نہ نکلوں۔ اسپر ہمنے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کس طرح قرآن کو حصوں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ تین سورتوں اور پانچ سورتوں اور سات سورتوں اور نو سورتوں اور گیارہ سورتوں اور تیرہ سورتوں اور ق سے شروع ہو کر اخیر قرآن تک کے جسکو مفصل کہتے ہیں (سات) حصے ہیں۔

معتبر ذرایع اور معقول وجوہ سے ثابت ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے رو سے قرآن شریف کے سات حصے یعنی سات منازل ہیں۔ ہر منزل ایک دن میں پڑھی جاتی ہے۔ اور اس طریق سے سارا قرآن شریف سات دنوں میں ختم ہوتا ہے۔ دوسری معتبر صحیح احادیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ کو تاکید فرمائی کہ قرآن شریف سات دنوں میں ختم کیا کریں۔ اس حدیث کے راوی پہلی حدیث کے راویوں سے جدا ہیں۔ ان دونوں مضمون واحد کی حدیثوں کا مختلف راویوں کی روایت سے بیان ہونا ایک دوسرے کی گواہی کے اعتبار پر دلیل ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں ایکدوسری کی سچائی اور استناد کی تصدیق کرتی ہیں۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ان حدیثوں کی صحت میں کسی قسم کے شک کو جگہ دیجاوے۔ اب ہمیں یہ صاف نظر آرہا ہے کہ مذکورہ بالا حدیث سے سورتوں کی ترتیب کا وجود واضح طور پر ثابت ہے کیونکہ وہی منزلیں جن میں قرآن شریف کے اس حدیث کے رو سے حصے کیے ہوئے ہیں آجتک مسلمانوں میں مروج ہیں۔ اور ساری اسلامی دنیا انہی پر کاربند اور عامل ہے۔ پس اس تعامل سے بھی صاف شہادت اس حدیث کی صداقت کی ملتی ہے۔ ان سات حصوں کو مسلمانوں کی اصطلاح میں سات منزلیں کہتے ہیں۔ اور ہر ایک منزل میں اسی قدر سورتیں ہیں جو اس حدیث میں مذکور ہیں۔ جیسے کہ حدیث شریف میں لکھا ہے ساتویں منزل ٹھیک اس کے مطابق سورۃ ق سے شروع ہوتی ہے۔ پہلی چھ منزلوں میں کل اڑتالیس سورتیں ہیں اور یہی وہ تعداد ہے جو احادیث سے ثابت ہے۔ اس جگہ ایک بات ناظرین کو یاد رکھنی چاہیئے کہ حدیث مذکورۃ الصدر میں سورۃ فاتحہ جو قرآن شریف میں سب سے پہلے لکھی ہوئی ہے شمار نہیں کیگئی۔ اور یہ امر کسی غلطی پر مبنی نہ تھا۔ پس سورۃ بقرہ سے شروع کر کے تین سورتوں کی ایک منزل۔ پھر اس کے بعد کی پانچ سورتوں کی دوسری منزل

پھر اس کے بعد کی سات سورتوں کی تیسری منزل۔ پھر اس کے بعد کی نو سورتوں کی چوتھی منزل پھر اسکے بعد کی گیارہ سورتوں کی پانچویں منزل۔ پھر اسکے بعد کی تیرہ سورتوں کی چھٹی منزل اور ق سے (جو انچاسویں سورۃ ہے) شروع ہو کر اخیر تک ساتویں منزل ہوئی۔ اگر فاتحہ کو شامل کر کے شمار کیا جائے تو اس حساب سے سورۃ ق پچاسویں سورۃ ہوتی ہے۔ اور اگر اسکو شامل کر کے شمار نہ کیا جائے تو پھر سورۃ ق انچاسویں سورۃ ہوتی ہے۔ اور اس حدیث میں مؤخر الذکر حساب کو ملحوظ رکھا گیا ہے یعنی پہلی چھ منزلوں میں اڑتالیس سورتیں اور پھر انچاسویں سورۃ ق سے ساتویں منزل شروع ہوتی ہے۔ جسطرح ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ آیات قرآنی کی ترتیب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی اسی طرح اس حدیث سے واضح طور پر یہ بات عیاں ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کی تھی۔ اور آجتک اُسی ترتیب پر مسلمان قایم ہیں یعنی موجودہ ترتیب جو مسلمانوں میں مروّج اور جاری ہے وہ بجنسہٖ اور بلا تفاوت وہی ترتیب ہے جس میں ایک سرمو بھی فرق نہیں آیا۔

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جبکہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک پورے طور پر نازل نہیں ہو چکا تھا۔ اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آخری زمانہ تک آیتیں اور سورتیں نازل ہوتی رہی تھیں تو پھر کسی ترتیب کا وجود ہی کیونکر حیطہ امکان میں آسکتا ہے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ جبتک مورد وحی خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) زندہ ہے اسوقت تک قرآن شریف کا نزول مکمل نہیں سمجھا جاسکتا۔ لیکن اس بات سے آیتوں اور سورتوں کی ترتیب میں کوئی فرق اور ہرج واقع نہیں ہوتا۔ جتنا حصہ قرآن شریف کا نازل ہو چکا تھا اسکو بھی قرآن ہی کہا جاتا تھا اور لفظ قرآن کے معنوں میں یہ بات آسکتی ہے۔ لیکن اس حدیث میں بنی ثقیف کے اسلام لانیکا حال درج ہے پس یا سوقت کی حدیث ہے جب وہ لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اب یہ بات ثابت ہے کہ ثقیف ہجری کے نویں سال میں مسلمان ہوئے تھے۔ اور اسی سال میں سورۃ توبہ نازل ہوئی تھی جو تاریخی سلسلہ نزول میں سب سے اخیر سورۃ تھی۔ اس لیے اس حدیث کے زمانہ میں مذکورہ بالا اعتراض باقی نہ رہا تھا کیونکہ جس زمانہ کا ذکر اس حدیث میں ہے اُس زمانہ میں قریباً سارا قرآن شریف نازل ہو چکا تھا۔ اور اس میں جو سورتوں کی تقسیم کے بارہ میں مذکور ہے اس سے تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی سند سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اسپر کوئی اعتراض معقول خیال نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ بعض آیات اسکے بعد نازل ہوئیں۔ لیکن جتنی آیات بعد میں نازل ہوئیں وہ سب جہاں الہام الٰہی نے ہدایت کی وہاں رکھدی گئیں ہاں اس میں شک نہیں کہ ایک چھوٹی سی سورۃ جسکا نام سورۃ النصر ہے اس سے بعد نازل ہوئی۔ لیکن یہ ایک چھوٹی سی سورۃ تھی اور اسکو مناسب جگہ رکھدیا گیا تھا۔ ناظرین اس بات کو بھی یاد رکھیں کہ اس حدیث میں صرف چھ پہلی منزلوں کی سورتوں کی تعداد بیان کی گئی ہے۔ لیکن آخری منزل کی سورتوں کی تعداد نہیں بیان کی۔ اسکی نسبت صرف اتنا ہی کہا گیا کہ ق سے شروع ہو کر خاتمہ تک ساتویں منزل ہے۔ کیونکہ ابھی اس آخری منزل میں ایک سورۃ شامل ہونا باقی تھی۔ چنانچہ وہ بھی نازل ہو کر یہ منزل ختم ہوگئی۔ اس سورۃ کے نزول اور ساتویں منزل میں شمول سے اس شمار میں ہرگز کوئی فرق نہیں آیا جو پہلی چھ منزلوں کے متعلق بیان ہوا ہے۔

اس بات کی بھی کوئی شہادت موجود نہیں کہ سورتوں کی ترتیب کو آنحضرت صلعم کے بعد حضرت ابوبکر یا عثمان رضی اللہ عنہما نے کسی طرح تبدیل کر دیا ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برخلاف تو کبھی کسی نے کوئی اعتراض اس قسم کا نہیں کیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انکے نقش قدم کو اختیار کیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو نقلیں قرآن شریف کی گئی تھیں وہ اُن بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نگرانی اور اہتمام میں تیار کرائی گئی تھیں جن کو علم قرآن میں زیادہ ماہر اور واقف مانا گیا تھا۔ اور اکثر انمیں حضرت ابی بن کعب جیسے بزرگ تھے جن کو قرآن شریف از بر تھا۔ علاوہ ازیں جو دلایل ہمنے اوپر قرآنی آیات کی ترتیب کے متعلق پیش کی ہیں وہی دلایل مناسب تغیر کے ساتھ قرآن شریف کی سورتوں کی ترتیب پر حاوی ہوتی ہیں۔ لیکن چونکہ بعض حدیثوں میں مختلف ترتیبوں کا بھی ذکر آیا ہے اس لیے اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ہمیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسکے متعلق بھی فیصلہ کر دیا جائے۔ اس بارہ میں سب سے پہلے صحیح بخاری کے باب تالیف القرآن کیطرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ اس باب میں جو احادیث درج ہیں ان میں سب سے پہلی حدیث یوں ہے عن یوسف بن ماھك قال انی عند عایشة ام المؤمنین رضی الله عنها اذ جاءها عراقی فقال ای الکفن خیر- قالت ویحك وما یضرك- قال یا ام المؤمنین اریني مصحفك قالت لم قال لعلی اؤلف القرآن علیه فانه یقرا غیر مؤلف قالت وما یضرك ایة قرأت قبل انما نزل اول ما نزل منه سورة من المفصل فیها ذکر الجنة والنار حتی اذا ثاب الناس الی الاسلام نزل الحلال والحرام ولو نزل اول شئ لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع الخمر ابدا ولو نزل لا تزنوا لقالوا لا ندع الزنا ابدا لقد نزل بمکة علی محمد صلی الله علیه وسلم وانی لجاریة العب بل الساعة موعدهم والساعة ادهی وامر وما نزلت سورة البقرة والنساء الا وانا عنده قال فاخرجت له المصحف فاملت علیه ای السور- اس حدیث کا ماحصل جہانتک ہمارے مضمون سے تعلق ہے یہ ہے کہ حضرت ام المومنین عایشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک شخص عراق سے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اپنے قرآن شریف کی مجھے زیارت کرائیں۔ حضرت ام المومنینؓ نے سوال کیا کہ تمھاری غرض اس سے کیا ہے؟ اس نے جواب میں گذارش کیا کہ قرآن شریف کی تلاوت میں کسی ترتیب کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اور مَیں آپکا قرآن اس لیے دیکھتا ہوں کہ مَیں اس مقدس کتاب کی صحیح ترتیب سے آگاہ ہو جاؤں۔ اسپر حضرت ام المومنین نے اسے ملامت کی اور کہا کہ اس میں کیا ہرج ہے کہ کوئی حصہ پہلے پڑھا جائے حقیقت میں اسکا جو حصہ پہلے نازل ہوا تھا وہ مفصل سورتوں میں سے ایک سورۃ تھی جس میں بہشت اور دوزخ کا مذکور تھا۔ لیکن جب اسلام کا چرچا بڑھا اور لوگ داخل ہونے شروع ہوئے تو پھر جواز اور ممانعت کے احکام نازل ہونے لگے۔ اگر سب سے پہلے ہی حکم نازل ہوتا کہ شراب مت پیو تو لوگ کہتے کہ ہم شراب کبھی نہیں چھوڑیں گے اور اگر سب سے پہلے یہ نازل ہوتا کہ زنا مت کرو تو وہ انکار کرتے ..... یہ باتیں

کر کے پھر حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا اپنا قرآن نکال لائیں اور بعض سورتوں کی آیتیں اسکو پڑھ کر سنائیں۔" اس حدیث سے ظاہر ہے کہ ترتیب قرآن کے متعلق ایک عراقی نے حضرت عایشہ کے سامنے اپنا اعتراض پیش کیا۔ یہ شخص صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں سے نہ تھا اور نہ ہی کوئی دیر کا مسلمان تھا بلکہ ایک نو مسلم تھا جسے ابھی قرآن شریف سے چنداں واقفیت ہی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اسی حدیث میں حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا کا جواب بھی درج ہے۔ عراقی کی یہ بات کہ قرآن شریف کی کوئی ترتیب تلاوت میں ملحوظ نہیں رکھی جاتی محض ایک بیہودہ بات تھی اور اسکی نادانی کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ اسی لیے حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا اُسے ملامت کرنے پر مجبور ہوئیں۔ پھر اُسے اس بات کی ضرورت کو سمجھایا کہ کیوں ترتیب نزولی کے مطابق قرآن شریف نہیں لکھا گیا بلکہ اس سے مختلف ترتیب رکھی گئی۔ حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل نے یہ سوال کیا تھا کہ کیوں قرآن شریف نزولی ترتیب کے مطابق نہیں لکھا جاتا۔ کیونکہ حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے سوال کا جواب یہ دیا کہ اس میں کوئی ہرج کی بات نہیں کہ کوئی آیت جو پہلے نازل ہو چکی ہو کسی مابعد کی آیت کے پیچھے رکھی جائے۔ جو جلد قرآن شریف کی حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا نے اس عراقی کو دکھلائی تھی اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسکی ترتیب نزولی ترتیب سے مختلف تھی۔ اور یہ بات اس امر سے بھی زیادہ واضح ہوتی ہے کہ اپنی بات کی تائید میں حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا نے کئی سورتوں میں سے مختلف آیتیں اسکو پڑھ سنائیں۔ اور اتنی دیر تک اس کو سمجھاتی رہیں کہ اس عراقی کے ذہن نشین ہو کر اسکی خوب تسلی ہو گئی۔ اور حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا کے قرآن شریف کو دوسرے قرآنوں کے موافق پا کر اُلٹا خالی پھر گیا اور قرآن شریف ساتھ نہ لے گیا۔ کیونکہ اگر دوسرے مروجہ قرآنوں سے اسکی ترتیب مختلف ہوتی تو ضرور تھا کہ وہ شخص اس قرآن شریف کو ساتھ لے جاتا۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن شریف کی سورتوں کی ترتیب جسکا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ صرف ساری قرآن کی تلاوت کے موقع پر ملحوظ رکھی جاتی تھی۔ اور نمازوں میں قرآن شریف پڑھنے کے وقت یا نمازوں کے باہر جب تھوڑا تھوڑا حصہ پڑھنا منظور ہوتا تھا تو اسوقت اس ترتیب کے لحاظ رکھنے کی چنداں ضرورت نہ سمجھی جاتی تھی۔ مثلاً نمازوں میں اس ترتیب کی نگہداشت کی ضرورت نہیں اگر ایک پہلی رکعت میں کوئی سورۃ یا کسی سورۃ کا کوئی حصہ پڑھا جائے[۱] بلکہ جہاں کہیں جس سورۃ یا سورۃ کے حصہ کو پڑھنے پر جی چاہے پڑھ لیا کرتے تھے۔ حدیثوں میں اس کی کثرت سے شہادت موجود ہے۔ اسی طرح دو یا دو سے زیادہ سورتیں کسی ایک رکعت میں پڑھ لی جاتی تھیں اور بعض حالات میں نمازوں میں پڑھنے کے لیے ان سورتوں کو جمع کر لیا جاتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نمازوں میں عموماً بیس سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ جن میں اٹھارہ تو آخری منزل قرآن کی چھوٹی چھوٹی سورتیں تھیں جن کو مفصل کہتے ہیں۔ یہ مفصل سورتیں سورۃ ق سے شروع ہوتی ہیں۔ اور دو سورتیں حٰمٓ کی تھیں یعنی جو حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں یعنی تہجد کی دس رکعتوں میں یہ بیس سورتیں اس طرح پڑھا کرتے تھے کہ ہر رکعت میں دو دو سورتیں پڑھتے تھے۔

[۱] تو دوسری رکعت میں اس بات کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا کہ وہ حصہ مسلسل طور پر پڑھا جائے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص تالیف فرمائی تھی جو حضرت ابن مسعودؓ کے ذریعہ سے ہمارے تک محفوظ ہو کر پہنچی ہے اور جسکو تالیف ابن مسعود کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس تالیف کو قرآن شریف کی سورتوں کی ترتیب سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اور نہ ہی اسپر ہمیشہ عملدرآمد کیا جاتا تھا۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اس ترتیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز میں ایک یا ایک سے زیادہ مرتبہ ان سورتوں کو پڑھا اور چونکہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نمازوں میں قرآن شریف کی معمولی ترتیب کو ملحوظ نہ رکھا کرتے تھے تو اس خاص تالیف سے اصل ترتیب قرآنی کی قدر و منزلت میں کچھ بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ اسکا ذکر ہی اس لیے کیا گیا کہ یہ اصل ترتیب سے علیحدہ تھی اور یہ علیحدہ ذکر قرآن شریف کی ترتیب معمولہ کے وثوق کی ایک اور شہادت کا کام دیتا ہے۔ نہ صرف تہجد کی نمازوں تک ہی یہ بات محدود تھی بلکہ عام نمازوں میں بھی سورتوں کی ترتیب معمولہ کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا جیسے مثلاً ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے قرآن شریف کی تیسری سورۃ یعنی سورۃ النسا پہلی رکعت میں پڑھی۔ اور دوسری رکعت میں دوسری سورۃ یعنی آل عمران پڑھی۔ اس واقعہ کے درج کتب ہونیکی بھی یہی وجہ ہے کہ اصل ترتیب سے اختلاف کی مثال محفوظ رہے۔ اس قسم کی بہت ساری مثالیں کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہیں۔ اور چونکہ یہ امر لازمی نہ تھا کہ نمازوں میں قرأت کے وقت مسلمہ ترتیب کے موافق ہی قرآن کریم کی سورتیں پڑھی جائیں۔ اس لیے ان واقعات کے تحریر میں مقید اور محفوظ کیے جانے سے اس حقیقت کی تصدیق کا مزید ثبوت ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی سارے قرآن کی تلاوت کے وقت وہی ترتیب سور تمامے قرآن کریم مروّج اور مستعمل تھی جسپر آجکل مسلمانوں کا عمل ہے ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ تالیف ابن مسعود کی بیس سورتیں جنہیں مفصل کہا جاتا ہے کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ اس بات کو دیکھکر بعض لوگوں نے بے سمجھی سے یہ خیال کر لیا ہے کہ گویا حضرت ابن مسعودؓ کے پاس جو نسخہ قرآن شریف کا تھا اس میں سورتوں کی ترتیب دوسرے نسخوں سے مختلف تھی۔ اس بات کی تائید میں صرف یہی ایک حدیث پیش کیجاتی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ اور جس میں بیس چھوٹی چھوٹی سورتوں کے نماز تہجد میں پڑھے جانے کی تالیف کا ذکر ہے۔ لیکن جب ہمیں اس بات کا ثبوت صاف صاف ملتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب مروجہ کا لحاظ نمازوں میں ضروری نہیں سمجھا گیا تھا تو اس شہادت کا کچھ اثر اصل ترتیب قرآنی پر نہیں پڑتا۔ اور اگر فرض محال کے طور پر اس بات کو مان بھی لیں کہ حضرت ابن مسعودؓ کا کسی اور ترتیب سور قرآنی پر عمل تھا۔ اور اسی اپنی ترتیب کے مطابق ہی انہوں نے اپنا قرآن شریف لکھا ہوا تھا۔ تو اس سے یہ بات نہیں پائی جاتی کہ انکی ترتیب ہی صحیح تھی۔ اور قرآن شریف حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے پاس تھے اور عام طور پر مسلمانوں میں مروّج تھے انہیں ملحوظ ترتیب سے مختلف ترتیبیں رائج ہی نہیں تھیں۔ اگر ابن مسعودؓ کی کوئی جدا ترتیب تھی تو وہ انہیں تک محدود رہی کسی صحابی نے اس کی طرف کبھی التفات ہی نہیں کیا۔ بلکہ سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت نے اسی بات پر اتفاق کیا کہ حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ نے جو نسخے قرآن کریم کے لکھوائے جو حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں جمع کیے ہوئے صحیفے سے نقل کیے گئے تھے وہ اس ترتیب کے مطابق تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ اور جس پر حضور ممدوح صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قرآن شریف کی نقلیں کرنیکا اہتمام کیا گیا تو اس اہتمام کو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ اور حضرت ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما وغیرہم جیسے اولوالعزم اور بلند شان قرآن دان صحابہؓ نے اپنے ذمہ لیا ہوا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس عالی خدمت کے لیے بارہ صحابی منتخب کیے جنکا مفصل ذکر آگے آئیگا۔ یہ وہ بزرگ منتخب کیے گئے تھے جو سارے مسلمانوں کی قوم میں قرآن فہمی اور قرآن دانی میں سب سے بڑھے ہوئے اور مسلم تھے۔ اور ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک اور منزہ تھے۔ ان دوازدہ بزرگوں نے نہایت احتیاط اور جانفشانی سے اس خدمت کو ادا کیا۔ وہ اس بات سے بے خبر نہ تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نمازوں میں بیس چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ وہ اس بات سے پورے طور پر ماہر تھے کہ نمازوں میں قرآن شریف کی مروجہ اور مسلمہ ترتیب کی رعایت رکھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں میں سورتوں کی ترتیب کا لحاظ نہ رکھتے تھے۔ ایسے بزرگوں کی یہ معظم اور مکرم جماعت جنکو قرآن دانی میں کمال دسترس رکھنے کی وجہ سے اس عظیم الشان خدمت کے لیے صحابہؓ کی متفقہ رائے سے انتخاب کیا گیا تھا انکی نسبت یہ گمان کرنا کہ جس بات کو حضرت ابن مسعودؓ جانتے تھے اس سے وہ بیخبر تھے۔ ایک نہایت ہی عبث بات ہے جو کسی عقلمند دماغ میں گنجایش نہیں پا سکتی اور طرفہ اسپر یہ کہ اس امر کے جاننے والے صرف اکیلے حضرت ابن مسعودؓ ہی ہوں۔ اور اتنی قوم صحابہؓ میں سے ایک بھی انکی تائید یا تصدیق کرنیوالا نہ ہو البتہ اگر سورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ترتیب نہ کر جاتے اور انکی ترتیب شخصی اختیار پر چھوڑی جاتی تو اس حال میں اس قیاس کو جگہ ہو سکتی تھی کہ وہ ترتیب جو بزعم معترضین حضرت ابن مسعودؓ نے کی تھی اسکی صحت اور عدم صحت پر غور کیا جاتا اور اس بات کو بھی پیش کیا جا سکتا تھا کہ انکی ترتیب دوسرے صحابہؓ کی ترتیب کی نسبت صحیح ہے یا کہ انکی ہی صحیح ترتیب ہے اور دوسری ترتیب صحیح نہیں۔ لیکن اس قضیہ کا فیصلہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ہونا تھا۔ نہ کہ شخصی آراء پر۔ اب اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ مذکورہ بالا تالیف ابن مسعودؓ سے علاوہ حضرت ابن مسعودؓ نے قرآن شریف کی باقی سورتوں کو کسی اور طریق سے ترتیب دیا تھا۔ اور ان چند سورتوں میں بھی انہوں نے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد کی نمازوں میں پڑھتے خیال کر لیا کہ یہ بھی صحیح ترتیب ہے مگر یہ خیال انکا غلط تھا نہ تو یہ ہی ثابت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کو تحقیق ہی کیا اور نہ کسی اور صحابی سے ہی پوچھا۔ صرف اپنے خیال کو دخل دیکر ایک بات کا یکطرفہ فیصلہ کر لیا۔ اور اسی لیے انکے نام سے ہی یہ تالیف منسوب ہے۔ لیکن اس قیاس کو جگہ دینے میں انہوں نے غلطی کھائی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو نمازوں میں سورتوں کی معینہ ترتیب کی رعایت نہ رکھتے تھے اور صحابہ کبارؓ اس بات سے بہت اچھی طرح واقف تھے کہ نمازوں میں

جس ترتیب سے قرآن شریف کی سورتیں پڑھی جاتی ہیں وہ صحیح ترتیب قرآنی نہیں۔ انہیں بزرگوں کی روایت سے ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جن میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت میں کسی سورۃ کا کوئی حصہ پڑھ لیا کرتے تھے اور پھر اسکے بعد کی دوسری رکعت میں کسی اور سورۃ کا کوئی حصہ پڑھ لیتے تھے۔ اور اس بات کا مضایقہ نہیں رکھا جاتا تھا کہ پچھلی رکعت میں جو سورۃ یا اسکا حصہ پڑھا جاتا وہ اصل ترتیب آنی کے موجب پہلی رکعت میں پڑھے ہوئے حصہ سے آگے کا حصہ ہوتا یا پیچھے کا۔ اصحابؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ کسی صحابی نے جب کسی مسجد میں نماز میں امامت کی اور اس نے پہلی رکعت میں پہلے سورۃ اخلاص پڑھی اور پھر کوئی اور سورۃ پڑھی اور یہ ماجرا آنحضرت صلعم کے حضور پہنچا تو آپ خاموش رہے اور اسپر کوئی اعتراض نہ کیا۔ انہیں اس بات کا بھی علم تھا کہ جمعہ کے روز صبح کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں سورۃ السجدہ جو بتیسویں سورۃ ہے اور دوسری میں الدہر جو چھترویں سورۃ ہے پڑھا کرتے تھے۔ اس سے یہ تو نہیں پایا جاتا کہ ایک سورۃ کے بعد دوسری رکعت میں وہی سورۃ پڑھی جائے جو ترتیب مسلمہ کے سلسلہ میں اُس سے آگے آتی ہے۔ وہ بزرگ لوگ خدا انپر بیحد رحمت کی بارش برساوے۔ اصل ترتیب قرآنی سے واقف تھے۔ اور اسی پر انکا عمل تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کسی ایسی تالیف پر ایک جدا ترتیب کی بنا رکھدی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض وقت کی نمازوں میں ظاہر ہوئی۔ انہوں نے اپنے فیصلہ کی اسکو بنا ٹھہرانے میں سخت غلطی کھائی۔ لیکن عام اصولی لحاظ سے انکی ترتیب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قرآن کی ترتیب سے کچھ چنداں مختلف نہ تھی جیسے حضرت عثمانؓ کے قرآن میں طوال یعنی لمبی سورتیں ابتدا میں لکھی ہوئی تھیں اسی طرح انہوں نے بھی انکو پہلے ہی لکھا ہوا تھا البتہ اتنا فرق بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے سورۃ النسار کو سورۃ آل عمران سے پہلے رکھا تھا۔ گویا تیسری سورۃ کو چوتھی اور چوتھی کو تیسرے نمبر پر لکھا۔ اب یہ بھی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سورۃ نسار کو آل عمران سے پہلے پڑھا تھا سو غالباً اسی سے حضرت ابن مسعودؓ نے رائے قایم کرلی ہوگی۔ اب صرف یہی دو اختلاف ہیں جو انکی ترتیب میں پائے جاتے ہیں جنپر معترض شور مچاتے ہیں یا اگر کوئی اور اختلاف ہوگا تو وہ بھی اسی قسم کا ہوگا۔ پس یہ ایسی غلطی ہے کہ جو یا تو حضرت ابن مسعودؓ کی طرف منسوب کیجا سکتی ہے اور یا اس کے ذمہ وار وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس بات کو فرض کرلیا ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں کی ترتیب جو حضرت ابن مسعودؓ نے کی تھی وہ ان دو باتوں میں اس اصل ترتیب قرآنی سے مختلف تھی جو باضابطہ اور مستند طور پر امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھوا کر مسلمانوں میں شایع کی تھی۔ حقیقت میں اگر دیکھا جائے کہ ترتیب کے متعلق اس قسم کا اختلاف ہوا اور اس اختلاف پر بحث وتنقید بھی ہوئی اور پھر وہی ایک ترتیب جاری وساری ہوئی جو آجتک مسلمانوں میں مروج ہے تو اس سے اس بات کے ثبوت پر اور بھی

اور بھی زیادہ روشنی پڑتی ہے کہ وہی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی جو حضرت عثمانؓ کے صحیفوں میں ملحوظ رکھی گئی۔ اصول میں تو حضرت ابن مسعودؓ اور دوسرے صحابی رضی اللہ عنہم باہم متفق ہیں۔ اور جو اختلاف ہوا وہ حضرت ابن مسعودؓ کے قیاس کی غلطی سے پیدا ہوا۔ اگر حضرت ابن مسعودؓ کی ترتیب میں کوئی اختلاف تھا تو وہ صرف اسی وجہ سے تھا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض نمازوں میں قرآن شریف کی سورتیں کسی اور ترتیب سے پڑھتے دیکھکر اپنی رائے کو محصور کر لیا۔ شاید انہوں نے نظر عمیق اور غور و تحقیق سے اس بات کو نہ دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح بعض نمازوں میں سورتیں پڑھتے سنکر انہوں نے گمان کر لیا کہ شاید ان چند سورتوں کی ترتیب ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدل دی ہے۔ لیکن دوسرے تمام صحابہ اس بات کو جانتے تھے کہ نمازوں میں ترتیب اصلی کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں تھا۔ ہم اسجگہ یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر قرآنی سورتوں کی ترتیب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل نہیں کی تھی تو پھر حضرت ابن مسعودؓ کو کیا ہو گیا تھا کہ انہوں نے بھی اسی ترتیب کو مان کر اس پر عمل شروع کر دیا جو حضرت عثمانؓ اور دوسرے صحابہؓ کے زیر عمل تھی؟ ۱۱۴ سورتوں کی ترتیب میں اس طرح سے انکا اتفاق بجز اس صورت کے کبھی ممکن نہ تھا کہ وہ دونوں صرف اس ایک ہی شخص کی ہدایت پر کاربند ہوتے جس نے سورتوں کو ترتیب دیا تھا۔ اور ایسی سند جس پر دونوں بزرگ متفق ہو سکتے تھے وہ صرف ذات مبارک حضرت سرور کائنات صلعم تھی۔ لیکن جہانتک تحقیقات صحیحہ کا دائرہ وسیع ہوتا ہے ہم اس بات کے ماننے پر زیادہ زور سے مجبور ہوتے جاتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے کسی ترتیب خلاف ترتیب نبوی پر عمل نہیں کیا۔ اور جس ترتیب کی طرف معترض اشارہ کرتے ہیں وہ بھی معنوی اور حقیقی طور پر ترتیب نبوی کے موافق تھی۔ ہم ایسی باتیں قیاسات کی بنا پر نہیں لکھتے بلکہ ہمارے ہاتھ میں بدیہی ثبوت موجود ہیں۔ جیسے حضرت امام بخاریؒ نے ایک حدیث کو نقل کیا ہے جس میں ابن مسعودؓ نے سورۃ بنی اسرائیل۔ الکہف۔ طٰہٰ مریم۔ اور انبیاء کو درمیان قرآن شریف میں ٹھیک اسی ترتیب سے بیان فرمایا جس ترتیب سے یہ سورتیں اصل ترتیب قرآنی میں واقع ہیں۔ اس قسم کی شہادتوں سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حضرات ابن مسعود اور عثمان رضی اللہ عنہما کے نسخوں کی ترتیب ایک ہی تھی۔ اور اگر فرض کے طور پر کسی اختلاف کو بھی مانا جائے تو وہ اختلاف نہایت ہی خفیف اور چھوٹا سا تھا۔ اور اسکی وجہ صرف حضرت ابن مسعودؓ کی غلط فہمی تھی۔

ایسے لوگ جو قرآن شریف کی موجودہ اور مسلمہ ترتیب پر حملہ کرنے کے شائق ہیں انہوں نے صرف حضرت ابن مسعودؓ کا نام ہی نہیں لیا۔ بلکہ اس اختلاف کو ثابت کرنیکے لیے دو اور بزرگوں کا نام نامی بھی لیتے ہیں۔ ان دو بزرگوں میں ایک تو حضرت ابی بن کعب اور دوسرے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ حضرت ابی بن کعب کو انہوں نے مفت میں اس ذیل میں لا ڈالا ہے کیونکہ کسی طرح سے اعتبار کے قابل شہادت موجود نہیں جس سے اس امر کا ادنیٰ سا ثبوت بھی مل سکے کہ وہ کسی مختلف ترتیب کے قایل اور عامل تھے۔ انکی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ چوتھی سورۃ یعنی النساء کی جگہ آل عمران کو جو تیسری سورۃ ہے رکھتے تھے۔ اور تیسری کی جگہ چوتھی رکھتے تھے۔ اگر یہی اختلاف تھا تو یہ نہایت خفیف سی بات تھی۔ اور ممکن ہے کہ انہوں نے بھی حضرت ابن مسعودؓ کی طرح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازوں میں پڑھتے سنکر ایسا سمجھ لیا ہو۔ لیکن ہم آگے چلکر ثابت کریں گے کہ حضرت ابی بن کعب اس اختلاف کے مرتکب نہیں ہوئے۔ اور اگر کبھی انہوں نے اس قسم کا اختلاف کیا بھی تھا تو واقعات پر مطلع ہوتے ہی وہ اس پر قایم نہ رہے اور اپنے ہی عمل سے ثابت کر دیا کہ ترتیب نبوی وہی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صحیفوں میں ملحوظ رکھی گئی۔ ایسا ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے قرآن شریف کو نزولی ترتیب کے موافق جمع کیا تھا چنانچہ اسکی تائید میں ایک حدیث پیش کیجاتی ہے جس میں انکا قول اس مضمون کا نقل کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انہوں نے اسوقت تک آرام نہ کیا تھا جبتک کہ سارے قرآن شریف کی سورتوں کو تاریخی یعنی نزولی ترتیب دیکر جمع نہ کر لیا۔ لیکن یہ حدیث مجروح ہے۔ کیونکہ باوجودیکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد سریر خلافت پر بھی رونق افروز ہو گئے پر کوئی ایسا قرآن جسکا اس حدیث میں ذکر ہے نہ شایع ہوا اور آیندہ نسلوں کے ہاتھوں میں نہ پہنچایا گیا اسکے علاوہ صحیح احادیث جن کا اعتبار بہرحال اس حدیث سے بہت زیادہ ہے انسے اس واقعہ کی صحت کے خلاف ثبوت ملتا ہے۔ فتح الباری کے صفحہ ۱۰ پر خود حضرت علیؓ کی روایت سے ایک حدیث درج ہے عن عبد خیر قال سمعت علیا یقول اعظم الناس فی المصاحف اجرا ابو بکر رحمۃ اللہ علی ابی بکر هو اول من جمع کتاب اللہ۔ یعنی "قرآن شریف کے جمع کرنیوالوں میں سب سے بڑے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہی سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن جمع کیا" ایک طرف وہ حدیث جس میں یہ لکھا ہے کہ بعد وفات حضرت سرور کائنات صلعم حضرت علیؓ کو اسوقت تک چین نہ آیا جب تک انہوں نے قرآن جمع نہ کر لیا اور دوسری طرف یہ حدیث حضرت علیؓ کی اپنی روایت سے اسکی تردید کرتی ہے کیونکہ اسکے رو سے ابو بکر صدیقؓ ہی ایک شخص تھے جنہوں نے سب سے پہلے قرآن کریم کو جمع کیا۔ اور یہ حدیث اپنے ثبوت میں اکیلی نہیں بلکہ دوسرے تاریخی واقعات اسکے مؤید اور مصدق ہیں۔ جن میں ایک بات تو یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی کسی دوسری ترتیب کا نہ ذکر ہی کیا اور نہ ہی موجودہ اور مسلمہ ترتیب سے مختلف ترتیب والا قرآن کسی سے قبول ہی کیا۔ لیکن اس کے ماسوا بھی ایک اور ایسی زبردست بات ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ تو حضرت علی اور نہ حضرت ابی رضی اللہ عنہما اس ترتیب سے مخالف کسی دوسری ترتیب پر عملدرآمد رکھتے تھے جو حضرت عثمانؓ کے صحیفوں میں ملحوظ رکھی گئی تھی کیونکہ حضرت ابی بن کعب اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں بزرگوں کی سرپرستی میں قرآن کریم کی نقلوں کا کام بعہد خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سر انجام پایا تھا۔ اور اسوقت انکو اس کام میں حضرت عثمانؓ کے برابر دسترس حاصل تھی اور جس طرح انہوں نے ہمکو موجودہ قرآن مجید پہنچایا اسی طرح اگر کوئی اور ترتیب ان کے خیال میں ہوتی تو بجائے اس کے اسکو بآسانی ہم تک پہنچا سکتے تھے۔ اور کوئی مانع نہ تھا۔

اس موقعہ پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث پر نظر ڈالی جاوے جو قرآن شریف کی سورتوں کی ترتیب کے متعلق برعکس نتایج کے ساتھ پیش کیجاتی ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے عن ابن عباس قال قلت لعثمان ما حملکم علی ان عمدتم الی الانفال وهی من المثانی والی براءة وهی من المئین فقرنتم بهما و لم تکتبوا بینهما سطر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و وضعتموھما فی السبع الطوال فقال عثمان کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ما ینزل علیہ السورۃ ذات العدد فاذا نزل علیہ الشئ یعنی منھا دعا بعض من کان یکتب فیقول ضعوا ھٰؤلاء الاٰیات فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا و کانت الانفال من اوائل ما نزل بالمدینۃ وبراءۃ من اٰخر القراٰن وکان قصتھا شبیھۃ بھا فظننت انھا منھا فقبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یبین لنا انھا منھا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ آپ نے کیوں سورۃ انفال کو سورۃ برات کے ساتھ ایسے متصل طور سے لکھا ہے کہ انکے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہی نہیں۔ اور اسطرح ان دونوں سورتوں کو سات لمبی سورتوں میں شامل کر دیا ہے۔ اسپر حضرت عثمانؓ نے جواب میں فرمایا کہ آنحضرت صلعم کی عادت تھی کہ جب بہت سورتیں اسپر نازل ہوتیں اور انہیں کی کسی سورۃ کی آیت کا نزول ہوتا تو کسی کاتب وحی کو بلوا لیتے اور اُسکو حکم دیتے کہ وہ آیت فلاں سورۃ کی فلاں موقع پر لکھدے۔ سورۃ انفال مدینہ میں ابتدائی زمانہ میں حضور صلعم پر نازل ہوئی تھی اور برات کا نزول آخری زمانہ میں ہوا تھا۔ اور ان دونوں کا مضمون باہم متوافق اور ملتا جلتا تھا۔ اس لیے میں نے یہ یقین کیا کہ دوسری سورۃ پہلی سورۃ میں سے ہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم وفات پا گئے اور انہوں نے ہمیں واضح طور سے یہ نہ فرمایا تھا کہ یہ سورۃ اسی میں سے ہے۔"

بعض لوگ غلط فہمی سے اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ گویا جمع اور ترتیب قرآن حضرت عثمانؓ نے اپنے اختیار اور سمجھ کے موافق کی ہے۔ اور اس لیے اس حدیث کو اس دعوے کی تائید میں بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس سے قطعاً یہ بات مستنبط نہیں ہوتی کہ حضرت عثمانؓ کی رائے کو ترتیب قرآنی میں کوئی دخل تھا۔ بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی آیات کی طرح سورتوں کی ترتیب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے کی ہوئی تھی اور اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ کی وہ کمال درجہ کی احتیاط ثابت ہوتی ہے کہ جس سے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور عمل کو نہایت امانت کے ساتھ اس کام میں برتا۔ حالانکہ ساری سورتوں کی ابتدا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کا عام طور پر قاعدہ تھا مگر اس سورۃ کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پاکر اپنی رائے کو اتنا بھی دخل نہ دیا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی اسپر لکھدیتے۔ اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ اس میں ذکر کردہ واقعہ کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک لفظ اور ایک ایک سورۃ کے متعلق واضح طور سے حکم دیدیا ہوا تھا کہ اسکو فلاں موقعہ پر قرآن میں رکھا جائے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ربط وضبط عبارت اور سیاق وسباق مضمون کے لحاظ سے قرآن شریف کی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب فرمائی تھی۔ اور نوعیت مضمون میں ہمرنگی کے لحاظ سے ہی سورۃ انفال اور براءۃ کو ایک دوسرے سے ایسا متصل رکھا گیا تھا۔ درحقیقت اگر سورۃ براءۃ کے معاملہ کو علیحدہ رکھکر غور کیا جائے تو اس حدیث سے نہ صرف صاف طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ہر آیت کی نسبت کھلے طور پر حکم دیا تھا کہ اسکو کس موقعہ پر رکھا جائے۔ بلکہ آپ صلعم نے

صحابہ کبارؓ کو ہر ایک سورۃ کا موقعہ اور ترتیب بھی کھلے طور سے بتا دیے تھے۔ اور یہ بھی عیاں کر دیا کہ کونسی سورۃ کس سورۃ کے بعد لکھنی چاہیئے۔ اور آپ ہی نے ربط مضمون کے لحاظ سے سورتوں کی ترتیب کی تھی۔

اب ہم اس حدیث کے اُس حصہ پر غور کرتے ہیں جو ان دونوں سورتوں کے متعلق ہے اور یہ دیکھتے ہیں کہ کیا اس سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے انکی ترتیب کے متعلق مطلقاً کچھ نہیں فرمایا تھا؟ یہ امر ثابت ہے کہ سورۃ براءۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال پہلے نازل ہو چکی تھی اس لیے یہ کہنا کہ آپ کو اسکا موقعہ بتانیکی مہلت نہ مل سکتی تھی غلط قرار پاتا ہے اصل واقعہ یہی ہے کہ آنحضرت صلعم کی اپنی منشاء ہی ایسی تھی کہ ان دونوں سورتوں کو ایک دوسری کے ساتھ اسی طرح متصل رکھا جاوے اور انکے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جو ہر سورۃ کے پہلے لکھی جاتی تھی نہ لکھی جائے۔ یہ دونوں سورتیں گو بظاہر الگ الگ رکھی گئی ہیں اور دو مختلف ناموں سے موسوم ہیں۔ لیکن ایک طرح سے یہ دو حصے ایک ہی سورۃ کے ہیں۔ سورۃ براءۃ کی پہلی اسی آیات کا حج کے موقعہ پر جو لوگ جمع ہوئے تھے انہیں اعلان کیا گیا تھا۔ اس طرح سے براءۃ ایک جدا سورۃ بھی ہو گئی۔ اس لیے آنحضرت صلعم نے کبھی کسی وقت کھولکر صحابہؓ سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ سورۃ براءۃ سورۃ انفال کا حصہ ہے۔ اور دوسری طرف کبھی اسپر بسم اللہ بھی نہیں پڑھی۔ کیونکہ مضمون کے ہمرنگ ہونیکی وجہ سے گویا یہ اور سورۃ انفال ایک ہی سورۃ کے قائم مقام تھیں یہی واقعات ہیں جو کچھ حضرت عثمانؓ نے تشریح کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے بیان کیا۔ اور یہ سمجھایا کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے متعلق فرمایا وعمل کیا اسی طرح ہم عمل کرتے ہیں۔

ان تمام حالات اور واقعات سے یہ بات ایسے یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ جس سے انکار ممکن نہیں کہ قرآن شریف کی سورتوں کی تقسیم اور ہر سورۃ میں آیتوں کی ترتیب آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی کی تھی۔ اگرچہ جس قدر شہادت بیان ہو چکی ہے وہ اس امر کے ثبوت میں کافی سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن اس کی تائید میں اندرونی شہادت کا بہت بڑا ذخیرہ اس کے سوا بھی موجود ہے۔ جس طرح کہ ہر آیت کا دوسری آیت سے تعلق اور ربط ہے اسی طرح سورتیں بھی ربط اور تعلق مضمون کے سلک میں باہم منسلک ہیں۔ لیکن چونکہ یہ بذات خود ایک لمبا مضمون ہے اور علیحدہ بحث چاہتا ہے اسلیے ہم اسکو اسجگہ نہیں چھیڑتے۔ البتہ اس موقعہ پر یہ اعتراض پیدا ہوگا کہ جس حال میں قرآن شریف کامل طور پر آنحضرت صلعم کی حیات میں ہی قید تحریر اور الواح حافظہ پر محفوظ اور مضبوط ہو چکا تھا۔ اور اگر اس کی آیات اور سورتوں کی ترتیب اور تنظیم آپ (صلعم) ہی نے کر دی تھی تو پھر حضرات ابوبکر یا عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانوں میں اس کے جمع کرنیکے کیا معنے ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب ہم اگلے رسالہ میں دیں گے۔

بابی یا بہائی مذہب (۱)

ہماری اکثر ناظرین اس بات سے آگاہ ہوں گے کہ ملک ایران میں ایک نیا مذہبی سلسلہ نکلا ہوا ہی جو بابی یا بہائی مذہب کے نام سے موسوم ہے۔ مگر اکثر مسلمانوں نے غلط فہمی سے اس مذہب کو بھی اسلام ہی کے دائرہ کے اندر سمجھ لیا ہوا ہے جسکی وجہ صرف یہ ہے کہ اس مذہب کے مشنریوں نے عوام الناس کو دھوکہ میں ڈالنے کے لیے عجیب نفاق اور دورنگی کی طرز اختیار کی ہوئی ہے۔ انکی اصل حالت یہ ہے کہ جب مسلمانوں میں جاتے ہیں تو وہاں انہیں اپنے حال و قال کو مسلمانوں کا سا ظاہر کرتے ہیں اور انکے سامنے شعار اسلامی ادا کرتے ہیں۔ اور اس بھیس میں ہوکر اُن لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں اور اپنی مخفی تعلیمات کو ایسے طریق سے لوگوں کے دلوں میں جانشین کرتے ہیں کہ وہ معلوم ہی نہیں کر سکتے۔ لیکن جب سے بہائی مشنری لوگ مغربی ممالک میں پہنچے ہیں تو انہوں نے یہ دیکھکر کہ وہ طرز جسپر اسلامی ملکوں میں وہ عمل کرتے ہیں وہاں کچھ سود بخش نہیں ہوسکتی اور لوگوں کو دام میں لانیکے قابل نہیں ایک اور ہی طریق اختیار کیا ہے۔ وہاں وہ عیسائیوں میں اس سلسلہ کو مؤثر بنانیکے خیال سے عیسائیوں کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں۔ اور علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہمارے سلسلہ کو اسلام سے کوئی تعلق اور سروکار نہیں۔ لیکن جہاں کہیں مشرقی ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ انکو سابقہ پڑتا ہے وہاں ابتک برابر یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے ایسے پیرایہ میں بابی مذہب کا ذکر کرتے ہیں جس سے یہ سمجھا جائے کہ بابی مذہب صرف اسلام ہی کی ایک شاخ ہے۔ اور طرفہ یہ کہ ظاہر میں تو مسلمانوں کو اپنا گرویدہ بنانیکے لیے انکے مطاع اور مخدوم حضرت سرور کائنات صلعم کی بہت تعظیم و تکریم دکھاتے ہیں لیکن اس بھیس میں دراصل انکی غرض اسلام کے اصولی مسائل کی بیخ اُکھاڑنا ہوتی ہے۔ چنانچہ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا ایک بابی یہاں بھی آیا تھا اور وہ کئی دن تک برابر نمازیں اور جمعہ ہمارے ساتھ پڑھتا رہا۔ حقیقت میں یہ ایک منافقانہ سلسلہ ہے جس میں حقیقی اور اصلی مسائل سے لوگوں کو عام طور پر بے خبر رکھا جاتا ہے اور اہم مذہبی تالیفات کو پبلک کی نظر سے مخفی رکھنے میں سعی بلیغ کیجاتی ہے۔ اور اسکے مشنری مسلمانوں میں مسلمان بنکر بود و باش رکھتے ہیں۔ یہ ایک ایسا دھوکہ دینے والا طریق ہے جس سے کھلے طور پر عقاید اور مسائل کی تبلیغ کی نسبت بہت زیادہ لوگ اس دام میں پھنس جاتے ہیں۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ باب اور بہاء اللہ کی سوانح عمری بہت مختصر طور پر لکھکر انکی تعلیمات پر غور کریں اور اُن امور پر بحث کریں جو انکی مشن کی تائید میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اور اس مذہب کے آغاز کے اسباب کا کچھ ذکر کریں۔ واضح رہے کہ اصل بانی اس مذہب کا ایک شخص محمد علی باب نامی ہوا ہے۔ جس نے اپنے نام سے اس مذہب کو نسبت دیکر بابی مذہب اس کا نام رکھا۔ پھر اس کے بعد اُسکا ایک خلیفہ جانشین ہوا جس نے اپنا نام بہاء اللہ اختیار کیا۔ اور اس سلسلہ کا دوسرا نام اس شخص کے نام سے منسوب ہوکر بہائی مذہب ہوگیا۔ پہلے پہل تو عرصہ تک اس مذہب کے ماننے والے بابی کہلاتا

اپنا فخر سمجھتے تھے لیکن آجکل کے زمانہ میں وہ لوگ بہائی کہلانے کو ہی پسند کرتے ہیں۔ گویا انکی نزدیک باب کے سلسلہ پر بہاء اللہ کا سلسلہ غالب آگیا ہے۔ اسجگہ ہم ان کے مختصر حالات ناظرین کی اطلاع کے لیے لکھتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں اس مذہب کے بانی کا نام میرزا علی محمد تھا۔ جو شہر شیراز ملک ایران کا رہنے والا ایک تاجر کا بیٹا تھا۔ اسکے سن ولادت کی نسبت اختلاف ہے۔ کونٹ گوبینو کی تحقیقات کے مطابق اسکی پیدایش کا سال ۱۸۲۴ء ہے۔ لیکن خود بابیوں کی بعض تحریروں کے مطابق اسکی پیدایش ۱۸۱۹ء میں ہوئی تھی۔ اس بات کو ہمارے ناظرین اچھی طرح جانتے ہیں کہ شیعہ مذہب اسلام کا ایک فرقہ ہے اور اب ملک ایران اس مذہب کا گھر ہو رہا ہے۔ اہل تشیع حضرت علی خلیفہ چہارم کی خاص طور پر تکریم کرتے ہیں اور انکی خاص تقدیس وعصمت کے قایل ہیں۔ اور اُن کی اولاد کے بارہ بزرگوں کو علی الاطلاق معصوم مانتے ہیں۔ ان لوگوں کا مذہب ہے کہ انمیں سے گیارہ امام تو انسانوں کی طرح زندگی بسر کرکے دنیا سے گذر چکے ہیں لیکن بارھواں امام جسکا نام امام مہدی ہے اور جو کئی صدیوں سے پیدا ہوچکا ہے وہ کسی غار میں اسوقت زندہ چھپا ہوا ہے۔ وہ آخری دنوں میں نکلے گا اور شیعہ مذہب کو ساری دنیا میں پھیلائے گا۔ شیعہ مذہب کے بھی کئی فرقے بنے ہوئے ہیں جن میں ایک غالی فرقہ شیخی کے نام سے مشہور ہے۔ اس فرقہ کے بانی کا نام شیخ احمد تھا اور اس نے انتہائی درجہ کا غلو اس مذہب کے لوگوں میں پھیلایا علی محمد باب نہ صرف شیعہ ہی تھا بلکہ اس نے سید کاظم رشتی کی مریدی بھی اختیار کی ہوئی تھی جو اُن دنوں میں فرقہ شیخی کا پیشوا تھا۔ اس فرقہ میں دوسرے شیعہ فرقوں کی نسبت خصوصیت یہ ہے کہ اس فرقہ کے لوگ امام مہدی معہود کی تعظیم کرنے میں حد و نہایت سے بڑھے ہوئے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ انکے منتظر امام مہدی اور مومنین کے درمیان ہمیشہ ایک شخص ایسا ضرور ہوتا ہے جو دونوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ جب سید کاظم فوت ہونے لگا تو اُس نے اپنی جانشینی کے لیے کسی شخص کے حق میں فیصلہ نہ کیا اور صرف اتنا کہکر ہی چلدیا کہ حق خود ہی ظاہر ہو جائیگا۔ علی محمد بڑا ہشیار آدمی تھا اُس نے اپنے پیر سید کاظم کے ان مبہم الفاظ کو لیکر انسے یہ فایدہ اُٹھایا کہ اپنا ایک سلسلہ قایم کرلیا اور ان الفاظ کو پیش کرکے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنیکا عجیب رستہ نکال لیا۔ اور پھر ایسے ہی لفظ جو علی محمد باب نے کہے بہاء اللہ کے ہاتھ آکر اسکے دعاوی کی بنیاد اور مؤید بن گئے۔ سید کاظم کی وفات کے موقعہ پر علی محمد شیراز میں تھا۔ اسکی موت کے تھوڑے دنوں بعد ملا حسین نامی اس کے پاس پہنچا۔ یہ ملا حسین بھی سید کاظم کا مرید اور علی محمد کا پیر بھائی تھا اور اس فرقہ میں ایک بڑا بارسوخ آدمی تھا۔ جب دونوں باہم ملکر اپنے مرشد کے حالات اور اسکی وفات کا ذکر کر رہے تھے تو اُسی گفتگو کی اثناء میں علی محمد نے اپنا دعوی پیش کردیا کہ دراصل "حق" سے مراد سید کاظم مرحوم کی میراظہور ہی تھا اور وہ وسیلہ جسکے واسطے سے امام مہدی کے ساتھ لوگوں کا تعلق قایم ہو سکتا ہے وہ باب ہے اور باب میں ہی ہوں۔ یہ امر واضح طور پر کھل نہیں سکا کہ اس دعوے کا اعلان کرنیکے ابتدائی زمانہ میں علی محمد اپنے فرقہ شیخی کے عقاید سے کسقدر تجاوز اور بُعد اختیار کیا۔ لیکن جب یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ اس فرقہ کے اکثر لوگوں نے اسے بلاقیل وقال اپنا پیشوا تسلیم کرلیا۔ تو پھر یہ گمان غالب یقین کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے کہ ابتدا میں اس نے فرقہ شیخی کے عقاید سے کچھ

انحراف نہ کیا تھا اور اگر کوئی اختلاف کیا بھی تھا تو وہ ایسا خفیف تھا کہ جو ان لوگوں کو محسوس نہ ہو سکا۔ اسمیں کلام نہیں کہ علی محمد جیسا کہ موقعہ گیری میں ہشیار تھا ویسے ہی طلاقت لسان اور فصاحت بیان میں بھی ید طولیٰ رکھتا تھا۔ چنانچہ اسکی جادو بیانی کا پہلا کرشمہ یہ ظاہر ہوا کہ ملّا حسین نے اس دعوے کو وہیں تسلیم کر لیا۔ فرقہ شیخی میں ملّا حسین بڑی وجاہت اور رسوخ رکھتا تھا اور اپنی قوم کی متفقہ تعظیم و تکریم پر ایسی ملکیت رکھتا تھا کہ سارے لوگ سید کاظم کی خلافت کے لیے اسی پر آنکھ رکھے ہوئے تھے۔ لیکن جب اسی شخص نے علی محمد کے دعوے کو مان لیا۔ اور اسکے سلسلہ میں داخل ہونے میں سبقت کر دی تو پھر اسکی دیکھا دیکھی سارا فرقہ کا فرقہ ہی علی محمد کی طرف اُمڈ پڑا۔ اور جوق در جوق لوگ اسکی مریدی میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ چونکہ علی محمد کو فرقہ شیخی نے باب مان لیا تھا اور عام طور پر اسکو باب کے نام سے مخاطب کیا جانا شروع ہو گیا اس لیے ہم آیندہ جہاں باب کا ذکر کریں گے اس سے مراد مرزا علی محمد باب ہی ہوگا۔ باب کی ہشیاری اور زمانہ فہمی نے یہیں تک اسکو چین نہ لینے دیا۔ بلکہ رفتہ رفتہ وہ اپنے مورث کے عقاید سے قوم کو پرے لیجاتا رہا اور بڑھتے بڑھتے بڑے بڑے دعووں کو اپنی خواہشات کے پرواز کا آماج گاہ بنایا۔ چنانچہ باب سے بڑھکر اس نے یہ ظاہر کیا کہ میں "نقطہ" ہوں۔ اس سے اسکی مراد یہ تھی کہ میں وہ نقطہ ہوں جس میں مجھسے پہلے کے سارے سلسلے جمع ہو گئے ہیں۔ درحقیقت باب کے دعوے ایسے مہمل سے ہیں کہ دیوانوں کی بڑسے زیادہ کچھ بھی انہیں سے سمجھا نہیں جا سکتا۔ اور اس لیے کوئی معین اور نتیجہ خیز بات انسے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ پھر یہ کہ جو مصطلحات انہوں نے اختیار کیے ہوئے ہیں وہ خود وضاحت اور فہم کے دشمن ہیں۔ حال میں ایک عورت مسماۃ ایزا بیلا ڈی برننگھم نے ایک رسالہ "مکاشفات بہاء اللہ" کے مضمون پر شایع کیا ہے۔ اس رسالہ میں جو دعوے باب کی طرف اس مصنفہ نے منسوب کیے ہیں انکو ذیل میں لکھا جاتا ہے۔ "باب کے وجود سے اسلامی پیشگوئی جو بارھویں امام کے "واپس آنیکے" متعلق تھی پوری ہوئی۔ اسی طرح زردشتوں کے ہاں جو پیشگوئی مشہور ہے کہ "جب تین برگزیدہ ظاہر ہونگے تو زمانہ جدید کی 'صبح' ہوگی" وہ پیشگوئی بھی باب کے آنیسے پوری ہوئی۔ "باب ہی اسرائیلی ایلیا تھا۔ ایلیا کے روحانی معنے ہیں اور ایک مشن کی علامت ہے اور پیشرو کا پیغام ہے۔" "باب ہی کے آنیسے عیسائیوں کے ہاں کی "اس فرشتہ" والی پیشگوئی پوری ہوئی۔ جو نرسنگے کی آواز کے ساتھ ابن آدم کے آنیسے پہلے آئیگا۔ نرسنگے کی آواز سے مراد وہ بروزی کلام تھا جو باب کے ذریعہ سے بولا گیا۔" غرض کچھ تو باب کے دعووں میں تعلّی تھی ہی لیکن بمصداق مریدان مے پرانند۔ اسکے مریدوں نے سارے جہان کے سلسلوں کی پیشگوئیوں کا مصداق بنانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ باب کے اپنے ہی دعوے اور کلام ایسے مجمل اور بے معنی ہیں کہ کسی پیشگوئی مزعومہ کا پورا ہونا اسکی ذات سے قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ ایک طرف یہ ابہام اور دوسری طرف اپنے قیاسی مکاشفات کو لوگوں کی نظروں سے مخفی رکھنے میں جہد بلیغ کام میں لائی جاتی ہے چنانچہ اس سلسلہ کی سب سے اہم کتاب 'بیان' ہے جسکو بابی لوگ باب کی الہامی کتاب سمجھتے ہیں۔ یہ کتاب آجتک بابیوں کے سوا کسی کو دکھائی نہیں جاتی۔ بلکہ بابیوں میں بھی انہیں لوگوں کو دکھائی جاتی ہے جو انکے نزدیک منتخب اور انکی طرز پر قابل اعتبار لوگ ہیں۔ جو لوگ اس کتاب کو

دیکھنے کا حق رکھتے ہیں یا جنہوں نے اسکو دیکھا ہے وہ باب کے کسی دعویٰ کا اسکی طرف سے کوئی ثبوت پیش نہیں کرتے۔ اس لیے جن پیشگوئیوں کا مصداق باب کے مرید اسکو بنانیکی کوشش کرتے ہیں انکی نسبت ذرہ بھر بھی ثبوت موجود نہیں کہ انمیں سے کوئی ایک بھی اس کے آنیسے پوری ہوئی ہو۔ اور اس کمی کو باب کے حامی پورا کرنیسے بالکل عاجز اور ناکام ہیں۔ کسی پیشگوئی کا پورا ہونا صرف ایک شخص کا یہ دعویٰ کرنیسے تو مانا نہیں جا سکتا۔ کہ میں اسکو پورا کرنے آیا ہوں۔ بلکہ کسی شخص کا کسی پیشگوئی کا مصداق ثابت ہونیکے لیے ضروری ہے کہ کھلے کھلے نشانات اور اوصاف اور بیّن علامات اس پیشگوئی کے مصداق کی تائید میں پیش کیے جائیں۔ اور براہین قاطع و ساطع سے ثبوت دیا جائے۔ لیکن باب کے متعلق صرف اتنا ہی نہیں کہ اس کی تصدیق کے لیے کوئی نشان اور دلیل موجود نہیں بلکہ اس کے برخلاف صریح علامات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسکے وجود سے کوئی بھی ان پیشگوئیوں سے پوری نہیں ہوئی۔ اور اس سے بھی زیادہ تر غور کرنیکی بات یہ ہے کہ اسکے مرید فرط شوق اور غلبۂ وہم پرستی میں پھنسکر اسکی نسبت ایسی ایسی باتیں پیش کرتے ہیں جن کا اس نے دعویٰ ہی کبھی نہ کیا تھا۔ جیسے مثلاً مریدوں نے اسکی نسبت یہ مشہور کر رکھا ہے کہ وہ "ایلیا" تھا یا وہ "مکاشفات والا فرشتہ" تھا۔ لیکن یہ صرف مریدوں کی بے اعتدالی کی باتیں ہیں۔ خود اس نے تقریر و تحریر میں کبھی ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ اُسکا دعویٰ صرف اسقدر تھا کہ وہ "باب" تھا یعنی امام مہدی اور شیعوں کے درمیان واسطہ تھا جسکے وسیلہ سے امام مہدی کی بارگاہ تک شیعہ لوگ پہنچ سکتے ہیں۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ اس نے آپ مہدی بننے کا کبھی دعویٰ کیا تھا تو پھر کہیں ثابت نہیں کہ اس نے اس دعوے کا کبھی ثبوت بھی دیا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ امام مہدی کی پیشگوئیوں سے اسلامی کتب اسقدر لبریز ہیں کہ کوئی معتدبہ فرقہ ایسا نہیں جو اسکے ظہور کا قایل یا منتظر نہ ہو۔ سُنّیوں اور شیعوں کی حدیثوں کی کتب میں اتنا بڑا اختلاف ہے جسکو ناظرین جانتے ہیں۔ لیکن باوجود اس اختلاف کے مہدی کے ظہور کے دونوں قایل ہیں۔ اور گو دونوں میں اسکی شناخت اور اوصاف کے متعلق اختلاف ہے لیکن اسکے ظہور کے متعلق ایک زبردست نشان کے صدور کی پیشگوئی کے بیان میں دونوں فرقوں کی کتابیں باہم متفق ہیں۔ چنانچہ دونوں گروہوں کی مسلمہ کتب حدیث میں مہدی کے ظہور کی بڑی علامت یہ لکھی ہے کہ ماہ رمضان میں اُن مقررہ تاریخوں پر جن کا ذکر حدیثوں میں موجود ہے چاند اور سورج کو گرہن لگے گا۔ اس نشان کی ظہور مہدی کے زمانہ کے ساتھ خصوصیت ظاہر کرنے کے لیے حدیثوں میں لکھا ہوا ہے کہ ابتدائے آفرینش عالم سے ایسا اجتماع کسوفین کبھی کسی مدعی کے وقت میں واقع ہی نہیں ہوا۔ اب یہ زبردست نشان جو ظہور مہدی کے لیے ایک زبردست شہادت تھی باب کی زندگی میں واقع نہیں ہوا۔ یعنی باب کے ظہور کے زمانہ میں نہیں ہوا۔ بلکہ یہ نشان ۱۸۹۴ء مطابق ۱۳۱۱ھ ہجری میں واقع ہوا۔ اور باب اس زمانہ سے بہت پہلے مارا جا چکا تھا۔ بلکہ باب کے بعد کا بہائی سلسلہ کا مزعوم مسیح یعنی بہاء اللہ بھی اس کے صدور سے پہلے اس جہان سے کوچ کر چکا تھا۔ غرض اسباب سے صاف روشن ہے کہ نہ صرف باب کے دعاوی کی تصدیق کا کوئی ثبوت ہی موجود نہیں ہے بلکہ یہ کہ اُسکے دعوے صریح طور پر غلط

اور بے بنیاد تھے۔ ہمارے ناظرین اس بات کے مشتاق ہوں گے کہ دعوے کو اعلان کرنیکے بعد باب کا جو حال ہوا اسے سنیں۔ اس لیے ہم اسجگہ تھوڑا سا وہ حال بھی لکھ دیتے ہیں کہ باب نے جب اپنا دعویٰ مشتہر کر دیا تو اس کے بعد اسکا اپنا کیا حال ہوا ابتدا میں کچھ عرصہ تک تو نئے مدعی کے نئے دعووں کے ساتھ یہ نیا فرقہ ترقی کرتا رہا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ پہلے پہل باب اور اسکے مرید شعائر و احکام اسلام پر چلتے تھے۔ یہ بات محض قیاسی نہیں بلکہ بہت مضبوط وجوہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ دعویٰ کا اعلان کرنیکے تھوڑا عرصہ بعد ہی وہ حج بیت اللہ کرنے گیا۔ اور پھر باب اور اس کے مرید ہر جگہ سُنیوں اور شیعوں کے مولویوں اور مجتہدوں کے ساتھ مباحثات کر کے اپنا مسلمان ہونا ثابت کرنیکی کوششوں میں مشغول رہے۔ حقیقت میں بابی مذہب ابتدا سے ہی دو رُخی چال پر بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جس کے ظاہر اور باطن کو ایک دوسرے سے بالکل جدا اور مختلف صورتوں میں رکھنے کی کوشش اسکے اہمیات میں ابتدا ہی سے داخل ہے۔ چنانچہ زمانہ آغاز میں جب بابی لوگ اپنے مسلمان ہونیکو ثابت کرنے کیلیے مباحثات کے جنون میں پڑے ہوئے تھے تو اُسوقت بھی اس میں اباحت پسند لوگوں کا ہجوم بڑھتا گیا چونکہ اہل زمانہ کا میلان عام طور پر دینی پابندیوں سے گریز اور ادائے شعائر میں آسانی اور اباحت پسندی کی طرف زیادہ ہو رہا ہے۔ اس لیے ابتدا ہی میں باب نے اپنے دو رُخی سلسلہ کے ظاہر و باطن کو بڑی ہشیاری سے جدا کر دیا تھا۔ چنانچہ گو ظاہر میں اس کی اور اس کے مریدوں کی کوششوں کا سارا مدار انکے اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرنے پر ہی معلوم ہوتا تھا جس سے انکی غرض ایک تو یہ تھی کہ موجودہ سوسائٹی سے اپنے تعلقات میں انقطاع واقع نہ ہو۔ اور دوسرے اس التباس آمیز پیرایہ میں لوگوں کو اپنے دام تزویر میں لانیکے لیے اجنبیت سلسلہ کی دقتیں پیش نہ آئیں۔ لیکن دراصل اندرونی طور پر باب کی تعلیم اسلام اور اُس کے احکام کی اتباع سے جدا کرنیکے مقصد پر مبنی تھی۔ البتہ اس اصلی غرض کو بڑی کوشش سے مخفی رکھنے کا سبق بڑی احتیاط سے دیا جاتا تھا۔ بظاہر تو باب اور اس کے مرید پبلک اور حکام پر اپنا مسلمان ہونا اور دائرہ اسلام کے اندر ہونا ہی ثابت کرنیکی کوششوں میں سرگرداں معلوم ہوتے تھے لیکن یہ انکے حالات کی اصل حقیقت نہیں اصل مذہب مخفی رکھا جاتا تھا اور وہ اسلامی فرایض اور احکام سے لوگوں کو پرے ڈالنا اور اس کی بجائے اباحت پھیلانا تھا اور اب بھی ہے اس کے ماسوا انکے مذہب میں پولٹیکل اور سوشل بے اعتدالی پھیلانیکے اجزا ایسے مخفی طور پر بھرے ہوئے تھے کہ حکومت ایران اور پیشوایان مذہب اہل تشیع اور خود اہل تشیع اسکو بہت خطرناک سمجھنے لگے تھی۔ اس لیے باب کو اپنے مذہب کی اشاعت اور اپنے اصول و عقاید کی تبلیغ سے منع کر دیا گیا۔ مگر وہ ایسا ہشیار آدمی تھا کہ بظاہر تو سیاست ملکداری کے رعب سے ایسا نظر آتا تھا کہ اُس نے اس فرمان کی اطاعت کر لی ہے۔ لیکن مخفی طور پر اس نے اسکی کوئی پروا نہ کی اور برابر اپنے عقاید و اصول کی اشاعت میں لگا رہا۔ آخر اُس کے اصرار اور نافرمانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کو قاہری پہلو اختیار کرنا پڑا۔ بابی لوگ اعتدال سے ایسے بڑھے کہ امن عامہ میں انکے وجود سے خلل پیدا ہونے لگا یہانتک کہ حکام کے ساتھ بھی وہ لوگ اُلجھ پڑے۔ آخر دولت ایران کے مدبّروں نے اس بے امنی کو روکنے اور امن عامہ

قایم رکھنے کے خیال سے یہی مناسب سمجھا کہ باب کو زندان میں بھیج دیا جائے۔ چنانچہ اسکو قیدخانہ میں بھیجدیا گیا۔ لیکن جسوقت اسکو قید کیا گیا وہ ایسا زمانہ تھا کہ اسکا فرقہ خاصی ترقی کر چکا تھا۔ اور اس کے سلسلہ کے جوشیلے واعظ بڑی سرگرمی کے ساتھ مختلف حصص ملک میں اس نئے مذہب کے پھیلانے میں مصروف تھے۔ ان واعظوں میں سے تین ایسے ہوئے ہیں جنھوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ ان میں سے ایک وہی ملا حسین بشرادیہ تھا جس کی نسبت ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ سید کاظم کی وفات پر فوراً علی محمد کے پاس یہ خبر لیکر پہنچا کہ ہمارے پیر نے اپنی خلافت کا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہکر فوت ہو گیا کہ حق خود ہی ظاہر ہو جائیگا اور جس کی بات سنتے ہی علی محمد نے اپنے دعوے کی ٹپڑی جمالی اور سب سے پہلے وہی اسکے دعوے کا مصدق ہو گیا تھا۔ چونکہ علی محمد نے "باب" سے شروع ہو کر "نقطہ" انتہائی تک اپنے دعووں میں پرواز کر لیا تھا۔ اور اس سے کہ آگے بڑھ جانیکی وجہ سے "باب" کا عہدہ خالی تھا اس لیے ملا حسین اسکے شاگرد اول نے عہدہ "باب" کی خالی گدی پر اپنے آپ کو بٹھا دیا۔ دوسری ایک عورت تھی جس کا نام "زرین تاج" تھا یہ عورت حسن و جمال میں ایسی شہرہ آفاق تھی کہ اس کے کمال حسن کی وجہ سے بابی اسکو قرۃ العین کہتے تھے۔ نہ صرف خوبی صورت ہی کی وجہ سے اس عورت میں کشش تھی بلکہ اسکی زبان میں بھی ایسی طلاقت اور ملاحت تھی کہ جب تقریر کرتی تو سامعین کے دل کھینچ لیتی۔ چنانچہ جب حکومت کے تشدد کی وجہ سے اکثر بابیوں نے اپنے مذہب کو چھوڑ کر توبہ کرنیکا مصمم ارادہ کر لیا تو اسکی تقریروں نے انکے دلوں میں اسی مذہب پر جمے رہنے کے لیے از سرنو آمادگی کی روح پھونک دی۔ اور انکی ہمت کے عقدوں کو مضبوط کر دیا۔ اسکی آتش بیانی کے شعلوں نے ان کے تذبذب کو جلا کر استقلال اور عزیمت کو اس کی جگہ نصب کر دیا۔ تیسرے شخص کا نام محمد علی بالفروشی تھا۔ جو نیز اپنے سلسلہ کے واعظین میں بہت مشہور و معروف تھا۔ غرض علی محمد کے قید ہو جانیسے اسکے مذہب کی اشاعت میں کوئی فرق نہ آیا۔ جا بجا بابی لوگ اسکے پھیلانے میں طرح طرح کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں بے امنی بڑھ گئی اور حکومت سے خانہ جنگی شروع ہو گئی جس میں بہت سے بابی کام آئے۔ لیکن اسطرح بابیوں کے مرنیسے فتنہ و فساد میں تخفیف نہ ہوئی۔ بلکہ بڑھتے ہی گئے۔ اس لیے دولت ایران کے مدبروں نے یہی مصلحت مقتضائے وقت قرار دی کہ ان مفاسد کو قطعی طور پر روکنے کا علاج یہی ہے کہ انکی جڑھ یعنی علی محمد کو ہی ہلاک کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی قرارداد کے روسے اسکو چہریک سے جہاں وہ تین سال سے قید تھا تبریز میں پابجولان پہنچایا گیا۔ اور اسے اپنے پُرفتن دعوے سے باز آنیکی ہدایت کی گئی۔ لیکن اسنے توبہ سے انکار کیا اور یہی کہتا رہا کہ میں "نقطہ" ہوں۔ آخرکار اسکو دونوں ہمراہیوں سمیت توپ سے اڑا دیئے جانیکا حکم نافذ کیا گیا۔ ان میں سے ایک نے تو یہ حکم سنکر توبہ کر کے اپنی جان بخشی کرالی اور دوسرا اپنے پیشوا کے ساتھ سنہ ۱۸۵۰ء میں مارا گیا۔ اسوقت علی محمد ایک تیس سالہ نوجوان تھا۔ اور اس کے سلسلہ کی عمر چھ سال سے زیادہ نہ تھی۔ ابھی اسکے پرواز کی امنگیں دل ہی میں تھیں اور حصول عروج کی متفاوت منصوبوں کی ہوائیں اور انکے حصول کی انتہائی تجویزیں اور ارادے دماغ ہی کے صندوقچہ میں مقفل تھے کہ اس غیور خدا نے جو ایسے جھوٹے مدعیوں کے دعووں کو پختہ ہونیکے آخری مرحلہ تک نہیں پہنچنے دیتا۔ اور جو ہمیشہ ایسے

منصوبہ بازوں کی راہ ہی میں رگ جان کاٹ لیتا ہے۔ اس نے عیّار مدعی کاذب کو بھی اُٹھتے ہی حلق سے پکڑا اور اسکی رگ جان کاٹ دی۔ اسکی جوانان مرگ موت جو دعوے سے تھوڑے سال بعد واقع ہوگئی اسکے گستاخیوں سے بھرے ہوئے بے اعتدالیوں سے لبریز اترأو اور تکبر سے پُر دعووں کے بدلے میں آسمانی سزا تھی۔ جو اسکے کذاب اور مفتری علی اللہ ہونے پر آسمانی مہر ہے۔ یہ بات قرآن شریف میں بھی لکھی ہے اور بائبل میں بھی درج ہے کہ نبوت اور الہام کا جھوٹا مدعی بہت جلد مارا جاتا ہے۔ چنانچہ کتاب استثناء ۱۸-۲۰ میں لکھا ہے "پر وہ نبی جو میرے نام سے کوئی بات کہنے کا دعویٰ کریگا۔ جو میں نے اس کو کہنے کا حکم نہیں دیا۔ یا جو دوسرے معبودوں کے نام پر بولے گا وہ نبی قتل کیا جاویگا" اور قرآن شریف کی سورۃ الحاقہ ۶۹ کی آیات ۴۴-۴۷ میں لکھا ہے ولو تقول علینا بعض الاقاویل ۝ لاخذنا منہ بالیمین ۝ ثم لقطعنا منہ الوتین ۝ فما منکم من احد عنہ حاجزین۔ یعنی اگر یہ نبی ہم پر کوئی جھوٹی بات بناتا تو یقیناً ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور اسکی رگ جان کاٹ ڈالتے۔ اور تم میں سے کوئی ہم کو اس سے باز رکھنے والا نہ ہوتا" اس آیت کے مضمون سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سچے اور جھوٹے نبی کی شناخت کے لیے یہ مابہ الامتیاز مقرر کیا ہوا ہے کہ جو شخص اس دعوی میں کذاب اور مفتری علی اللہ ہوتا ہے اسکو جلد ہلاک کیا جاتا ہے چونکہ علی محمد اس بات کا مدعی تھا کہ گویا اسکو اللہ کیطرف سے الہام ہوتا ہے (اگرچہ اسکا مفہوم الہام الگ تھا) اور اس دعوے میں مفتری علی اللہ اور کذاب تھا۔ اس لیے اسکو بائبل اور قرآن شریف کے مندرجہ مابہ الامتیاز کے روسے ہلاکت نصیب ہوئی۔ اسکی بیوقت جوانان مرگ موت اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ اپنے دعووں میں حق پر نہ تھا۔ جب علی محمد "باب" اور "نقطہ" اپنے ہوا و ہوس کے سلسلہ کو ادھورا چھوڑ کر بہزار حسرت و ذلت طرح بیوقت مارا گیا تو ایک شخص میرزا یحییٰ نامی ساکن نور بابیوں کا پیشرو مانا گیا۔ بابی لوگ عتاب سلطنت دیکھکر مرعوب ہوئے تھے انہوں نے اسکی پیروی کو قبول کرنے میں کوئی اعتراض نہ کیا۔ بلکہ ایسے خوف کے وقت میں غنیمت سمجھا۔ بابی فرقہ کے پیشرووں میں نئے نئے لقب اختیار کرنیکا بڑا شوق رہا ہے چنانچہ میرزا یحییٰ نے بھی پیشوائی کے جادہ پر بیٹھتے ہی "صبح ازل" کا لقب اپنے لیے اختیار کیا۔ اس کے دو سال بعد ۱۸۵۲ء میں بابیوں کی پولٹیکل اصلیت جسکو وہ بڑی کوشش سے چھپاتے رہتے تھے کسیقدر عیاں ہوگئی۔ انہوں نے مخفی در مخفی منصوبہ بازیوں سے شاہ ایران کی جان پر حملہ کیا۔ لیکن بادشاہ کی خوش قسمتی سے انکو کامیابی نصیب نہ ہوئی بلکہ بہت سارے بابی موقع پر گرفتار ہوگئے۔ اور خطرناک پولٹیکل منصوبہ انکا ظاہر ہوا جسکی وجہ سے بہت سارے بابی ماخوذ ہو کر قتل کیے گئے۔ اور وہ مشہور قرۃ العین بھی اسی منصوبہ باز گروہ کے ساتھ اپنی گستاخیوں کی سزا کو پہنچی یعنی ہلاک کیگئی۔ یہ حالات دیکھکر اور اپنے سلسلہ کے منصوبوں کو اسطرح ناکام ہوتا پاکر صبح ازل کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اور وہاں رہنا اسکو دوبھر معلوم ہونے لگا۔ آخر وہاں سے کسی دوسرے ملک میں بھاگ جانیکی ٹھان لی۔ چنانچہ وطن سے بھاگ کر شہر بغداد میں آ ٹھہرا۔ اور اسی جگہ اپنا قیام اختیار کیا۔ اور وہیں اپنے مذہب کی اشاعت امن سے کرتا رہا۔ اس شخص پر کچھ ایسا رعب طاری ہوا تھا کہ بغداد میں آکر بھی اس نے خلوت نشینی اختیار کی

اور اشاعت و ترقی سلسلہ کا کام اپنے چھوٹے بھائی مرزا حسین علی کے سپرد کر دیا۔ مرزا حسین علی بابی برادری میں ایک ادنیٰ حالت میں تھا۔ اور باب کے مرنیکے دس سال بعد تک وہ اسی حال پر قانع رہا۔ ۵۹-۱۸۵۸ء میں اس نے اس مذہب کی تائید میں ایک کتاب لکھی جسمیں مباحثات درج تھے اس کتاب میں اسنے مرزا یحییٰ صبح ازل کی روحانی حکومت تسلیم کی۔ باب کی کتابوں میں ایک اور موعود کی پیشگوئی درج تھی جسکو اس نے من یظہرہ اللہ کے نام سے موسوم کیا ہوا تھا۔ باب نے اسکے ظہور کا کوئی زمانہ معین نہیں کیا تھا۔ اور اسکی آمد کے کوئی نشان بھی مقرر نہ کیے تھے البتہ اتنا لکھا ہوا تھا کہ جب وہ آئیگا تو سب اسکو قبول کریں گے۔ اب باب کے ان لفظوں کی زہر کا اثر حسین علی کے دماغ میں سرایت کرنے لگا۔ اپنے بھائی صبح ازل کی خلوت نشینی اور اسکی نیابت کی پوزیشن سے فایدہ اُٹھانیکا خیال پیدا ہو گیا چنانچہ ۱۸۶۳ء میں موقعہ پاکر اعلان کر دیا کہ وہ موعود من یظہرہ اللہ جسکے آنیکی باب نے اپنی کتابوں میں خبر دی تھی وہ یہی ہوں۔ پھر پیشوایان سلسلہ بابی کے معمولی مذاق اور شوق کے مطابق اسنے بھی اپنا لقب "بہاء اللہ" اختیار کر لیا۔ اس سلسلہ کو صبح ازل کی پیشوائی میں چنداں فایدہ نہ ہوا تھا۔ اور عام طور پر بابیوں کو محسوس ہو رہا تھا کہ باب اور قرۃ العین کیطرح کا کارکن اور زبان آور شخص سلسلہ کی پیشوائی کیلیے ہونا چاہیئے خلوت نشین پیشوا انکے نزدیک مفید نہ تھا۔ حسین علی اپنے بھائی کی نیابت کے زمانہ میں لوگوں کو اپنی کارروائیونکا ثبوت دے چکا تھا۔ اور عام ہمدردی حاصل کر چکا تھا جب اسکی طرف سے دعوے کا اعلان ہوا تو سب نے بڑی خوشی سے اسکو قبول کیا۔ جب حسین علی کو دعوے کے قبول کرانیمیں اسقدر فوری کامیابی ہو گئی تو خلوت نشین صبح ازل کی بھی آنکھیں کھلیں۔ وہ حجرہ سے باہر نکلا اور حسین علی کے دعوے کا انکار کیا۔ اگرچہ بہت بڑی جماعت حسین علی کے ساتھ ہو چکی تھی لیکن کچھ حصہ بابی لوگ صبح ازل کے ساتھ بھی ہو گئے۔ اسوقت سے بابی سلسلہ دو فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک بہائی فرقہ اور دوسرا ازلی فرقہ کہلانے لگا۔ یعنی ایک وہ لوگ جو بہاء اللہ (حسین علی) کے دعووں کے مصدق ہوئے اور دوسرے وہ لوگ جو صبح ازل کے ساتھ ملے رہے۔ ان دونوں فرقوں میں باہمی عناد بڑھتا گیا اور جھگڑے فساد اس حد تک بڑھتے گئے کہ آخر ترکی حکومت کو یہ انتظام کرنا پڑا کہ یہ دونوں فرقوں کے پیشوا علیحدہ علیحدہ دور جگہوں میں سکونت رکھیں۔ چنانچہ ۱۸۶۸ء میں بہاء اللہ کو شہر عکہ علاقہ شام میں اور صبح ازل کو فماگستہ جزیرہ سائپرس میں بھیجدیا گیا۔ بہاء اللہ تو اسی جگہ ۱۶ مئی ۱۸۹۲ء کو فوت ہوا۔ اور اسی جگہ اسکا مدفن بنایا گیا۔ بہاء اللہ کے مرنیکے بعد اس کا بیٹا عباس افندی اسکا گدی نشین ہوا۔ لیکن ایک دوسرا بیٹا محمد علی اپنے بھائی عباس آفندی کی کامیابی کو پسند نہ کر کے آپ گدی نشینی کا مدعی ہوا۔ عباس آفندی کا سکہ پہلے بیٹھ چکا تھا اسلیے محمد علی کی دال گلنی مشکل ہو گئی لیکن تاہم انکی بھی ایک جماعت قلیل اسکی طرفداری پر بھی استادہ ہو گئی اور اس کے دعوے کو تسلیم کیا۔ اگرچہ عباس آفندی کا رسوخ بیرونی جماعت میں بہت بڑھا ہوا ہے لیکن خاص عکہ میں محمد علی کا رسوخ زیادہ ہے اور بہاء اللہ کے مدفن کی حفاظت اور گدی نشینی اسی کے حصہ میں آئی ہوئی ہے۔ بہائی سلسلہ مشرق ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ مغرب میں جا پہنچا ہے خیر اللہ نامی بہائی مشنری ریاستہائے متحدہ امریکہ میں بھی اپنے مذہب کے مسائل کی اشاعت و منادی کیلئے پہنچ گیا۔ اور ۱۹۰۰ء میں امریکہ میں تین ہزار کے قریب لوگ اس سلسلہ میں داخل ہو چکے تھے۔ اور اگر اسکی ترقی کی رفتار آجتک یہی رہی ہو گی تو اس میں داخل ہونیوالے لوگونکی تعداد آجتک بہت ترقی کر گئی ہو گی۔

مسلمان اور جہاد

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۷ مئی ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار بعنوان "اپنی تمام جماعت کے لیے ضروری نصیحت" شایع فرمایا تھا جو انگریزی میں بھی سول اینڈ ملٹری گزٹ اور پایونیر اور بعض دیگر اخبارات میں شایع ہوا۔ اس اشتہار کو پڑھکر ایک صاحب سید محمد نام نے ایک چٹھی اخبار سول مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۷ء میں شایع کی ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب نے جو مولوی عبد اللطیف کی سنگساری کے متعلق لکھا ہے کہ امیر کابل نے انکو جہاد کی تعلیم کی مخالفت کی وجہ سے سنگسار کرایا یہ غلط ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "اگر مرزا صاحب کا ایسا لکھنے سے یہ منشاء ہے اور انکے اشتہار کے مفہوم عامہ سے یہی منشاء انکا ثابت ہوتا ہے کہ جہاد کے متعلق جو عقیدہ امیر حبیب اللہ یا عام مسلمانان ہند یا دیگر ممالک کے مسلمانوں کا ہے وہ کسی وقت مسلمانان ہند کی وفاداری میں خلل اندازی کا باعث ہو سکتا ہے تو ہم زور سے یہ کہیں گے کہ یہ بات بالکل بے بنیاد ہے" اور پھر لکھتا ہے کہ "پبلک کی اطلاع کے لیے اس امر کا ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ عبد اللطیف کا اصل قصور جسکے سبب سے اسکی جان جاتی رہی یہ تھا کہ وہ مرتد ہو گیا اور یہ ایسا جرم ہے جسکی سزا شریعت اسلامی میں موت ہے۔ مرتد وہ اس طرح سے ہوا کہ وہ مرزا غلام احمد کا جو مسلمانوں کے نزدیک مسلّم مرتد ہے مرید ہو گیا تھا"

اس کوتہ اندیش اور جہاد کے فدائی نامہ نگار کے جواب میں حضرت مسیح موعودؑ نے ایک چٹھی اخبار سول میں شایع کرنے کے لیے بھیجی جو ۲۸ مئی ۱۹۰۷ء کے اخبار میں چھپی ہے اس چٹھی کا عنوان جو خود اخبار سول نے تجویز کیا ہے وہ وہی عنوان ہے جس کے نیچے میں نے یہ مضمون لکھا ہے یعنی "مسلمان اور جہاد" اصل چٹھی جسکا ترجمہ سول میں چھپا ہے یہ ہے "۷ مئی ۱۹۰۷ء کو میں نے اپنی جماعت کے لیے ایک اشتہار شایع کیا تھا جس کا خلاصہ مطلب یہ تھا کہ اگرچہ گورنمنٹ انگریزی کی اپنی رعایا کے ہر ایک فرقہ پر حقوق ہیں کیونکہ تمام لوگ اسکی پُرامن سلطنت کے نیچے زندگی بسر کرتے ہیں اور اسکے سایہ حمایت کے نیچے ہر ایک ظالم کے پنجہ سے محفوظ ہیں اور سب پر واجب ہے کہ اُس کا شکر کریں اور عملی طور پر اپنی اطاعت کو دکھلاویں۔ لیکن سب سے زیادہ میری جماعت پر فرض و واجب ہے کہ اس گورنمنٹ کے سایہ عنایت و حمایت کا قدر کریں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نے آسمان کے نیچے اس جماعت کے محفوظ رہنے کیلیے صرف یہی گورنمنٹ مقرر کر رکھی ہے جسکی ظل حمایت میں یہ جماعت ہر ایک ظالم کے پنجہ سے محفوظ ہے ورنہ اگر مکّہ اور مدینہ میں بھی یہ لوگ رہنا چاہیں تب بھی انکی جان کی خیر نہیں۔ کیونکہ ہر ایک ملک کے مُلّانوں کی طرف سے انپر واجب القتل ہونیکا فتویٰ ہے اس تحریر میں نظیر کے طور پر میں نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ مولوی عبد اللطیف صاحب کا امیر کابل کے حکم سے سنگسار ہونا میرے اس بیان کا شاہد ناطق ہے کہ وہ میری بیعت کرنیکی وجہ سے کس بیرحمی سے سنگسار کیے گئے اور صرف جہاد کا منکر ٹھہرا کر پتھروں کے ساتھ انکو ہلاک کیا گیا۔ یہ ہی خلاصہ میرے اشتہار ۷ مئی ۱۹۰۷ء کا۔ اس میرے بیان کے رد کرنیکے لیے ایک صاحب سید محمد۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۷ء میں لکھتے ہیں کہ عبد اللطیف کا اصل قصور جس کی وجہ سے وہ سنگسار کیا گیا یہ تھا کہ وہ مرتد ہو گیا تھا اور

ارتداد ایک ایسا جرم ہے جس کی سزا شریعت اسلامی کی رو سے قتل ہے۔ اس کا مرتد ہونا اس وجہ سے تھا کہ وہ مرزا غلام احمدؐ کا پیرو بن گیا جو تمام مسلمانوں کے درمیان مرتد تسلیم کیا گیا ہے (یعنی مرزا غلام احمدؐ بھی واجب القتل ہے کیونکہ مرتد ہے) اب میں مختصر طور پر اپنی محترم گورنمنٹ کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ صاحب راقم نے اپنی اس تحریر میں قبول کر لیا ہے کہ ہم سب لوگ جو اس عادل گورنمنٹ کے سایہ کے نیچے کئی لاکھ تک پہنچ گئے ہیں انکی شریعت کے رو سے واجب القتل ہیں پس جبکہ یہ حال ہے تو ہم اس گورنمنٹ کا سچے دل سے قدر کریں یا نہ کریں اور اسکو چھوڑ کر کہاں جائیں اور کدھر جائیں۔ اسوقت میں امیر حبیب اللہ خان پر کوئی حملہ مولوی عبد اللطیف کے ماری جانیکی وجہ سے نہیں کرتا کیونکہ انہوں نے اپنی شریعت کی رو سے انکو واجب القتل سمجھا سو قتل کر دیا اور اپنے زعم میں بڑے ثواب کا کام کیا کہ انکو سنگسار کر دیا اور انکے عیال و اطفال جلاوطن کر کے ہمیشہ کے لیے قید میں ڈالے گئے۔ لیکن اس تمام تحریر سے میری غرض تو یہ تھی کہ ہماری اس عادل گورنمنٹ نے ایسا فتویٰ نہیں دیا کہ ان سب کو قتل کر دینا چاہیئے پس ہم اس گورنمنٹ کے کیونکر شکر گذار نہ ہوں۔ اس لیے میں نے لکھا تھا کہ میری تمام جماعت کے لوگ اس بات کو حفظ کر لیں کہ اگر وہ بھی مولوی عبد اللطیف کی طرح اس گورنمنٹ کے سایہ عاطفت سے باہر قدم رکھیں گے تو وہ بھی ایسے ہی سنگسار کیے جائیں گے۔ پس انکو چاہیئے کہ نہ کسی بناوٹ سے بلکہ سچے دل سے اس گورنمنٹ کی اطاعت کریں اور ہر ایک وقت پر خدمت کے لیے تیار رہیں۔ یاد رہے کہ میں امیر حبیب اللہ خاں کی کوئی شکایت نہیں کرتا اور خاص طور پر انپر کوئی الزام نہیں لگاتا انہوں نے ملّانوں کے فتووں پر عمل کر دکھایا اور ہر ایک اسلامی سلطنت اس فتوے پر عمل کرنیکے لیے تیار ہے امیر حبیب اللہ خاں کی کوئی خصوصیت نہیں اسی وجہ سے میں اپنے اس شایع کردہ اشتہار میں لکھ چکا ہوں کہ اگر ہماری یہ جماعت مکّہ اور مدینہ میں بھی ہوتی تب بھی وہ ایسی ہی سنگسار کیجاتی جیسا کہ کابل میں مولوی عبد اللطیف کیا گیا۔ رہا جہاد پس ہم جو ان مخالف مسلمانوں کی نظر میں مرتد اور واجب القتل ٹھہرے تو اسکی یہ وجہ نہیں کہ ہم خدا اور اس کے رسول اور قرآن شریف سے منکر ہیں جسکو شک ہو ہماری کتابیں دیکھ لے بلکہ اصل وجہ یہی ہے کہ ہم اس بات سے منکر ہیں کہ اب بھی کسی جہاد کی ضرورت ہے اور یا کسی ایسے مہدی اور مسیح کی ضرورت ہے کہ کسی وقت خونریزی کر کے اسلام کو پھیلائیگا۔ اور اسمیں کچھ شبہ نہیں کہ ایسے اعتقاد جاہلوں کے لیے خطرناک ہیں انہیں اعتقادوں نے سرحدی وحشیوں کا ستیاناس کیا ہے جس نے مہدی ہونیکا دعویٰ کیا اور تلوار اٹھائی اسی عقیدے جو پہلے سے جاہل لوگوں کے دلوں میں ہوتے ہیں خواہ نخواہ وحشی لوگوں کو ایسے مہدی کی طرف کھینچتے ہیں اسلام کی پاک تعلیم اور اس کے روشن نشان کسی جہاد کے محتاج نہیں یہ محض غلطیاں ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ عقلمند لوگ ایسے اعتقادوں سے دن بدن دست بردار ہوتے جاتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے مخالف مسلمان گورنمنٹ کے سچے مطیع نہیں ہیں بلکہ بلاشبہ مطیع ہیں مگر کاش اگر ایسا اعتقاد نہ ہوتا تو اچھا تھا۔

طاعون سے حفاظت

ذیل کا اعلان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے اخبارات میں شایع ہوا ہے ہم بھی اہل ملک کے فایدہ کیلیے اسے

یہاں درج کرتے ہیں تاکوئی طالب حق اور کوئی سعید دل اس سے فایدہ اُٹھائے۔ یہ اعلان متعلق اس الہام الٰہی کے ہے جو مدت ہوئی کتابوں اور اخباروں میں شایع ہوچکا ہے یعنی انی احافظ کل من فی الدار جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس گھر یعنی تیرے گھر کی چاردیواری کے اندر ہے میں اسکی حفاظت کرونگا اور اسی طاعون سے محفوظ رکھونگا۔ اس اعلان کے شایع ہونے پر بعض مخالفین نے کم فہمی سے اور بعض نے حسب عادت محض لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے یہ اعتراض کیا ہے کہ کشتی نوح میں کل من فی الدار سے مراد کُل پیرو لیے گئے ہیں۔ اور اسکے ثبوت میں کشتی نوح کے یہ الفاظ پیش کیے ہیں "پس جو شخص میری تعلیم پر پورا پورا عمل کرتا ہے وہ اس میرے گھر میں داخل ہوجاتا ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ کے کلام میں یہ وعدہ ہے انی احافظ کل من فی الدار یعنی ہر ایک جو تیرے گھر کی چار دیوار کے اندر ہے میں اسکو بچاؤنگا۔ اسجگہ یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہی لوگ میرے گھر کے اندر ہیں جو میرے اس خاک و خشت کے گھر میں بود و باش رکھتے ہیں بلکہ وہ لوگ بھی جو میری پوری پیروی کرتے ہیں میرے روحانی گھر میں داخل ہیں۔" چنانچہ اس عبارت کو نقل کرکے ایک معترض جو جھوٹ کو شیر مادر سمجھتا ہے لکھتا ہے "اس تشریح سے اس الہام کا مطلب صاف کُھل گیا کہ مرزا صاحب کا کوئی پیرو طاعون سے نہیں مریگا" افسوس ہے کہ ان لوگوں کی کجدلی یہانتک بڑھگئی ہے کہ راستی اور حق کی مطلق کچھ پروا نہیں کرتے۔ ہم ایسے شخص کو بجز لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے اور کیا کہیں یہ کہاں سے نتیجہ نکلا کہ کوئی پیرو بھی نہیں مریگا۔ پھر جہاں سے اس چالاک معترض نے یہ فقرہ لیا ہے اس سے پہلے بڑی وضاحت کے ساتھ سب کچھ بیان کیا گیا ہے دیکھو کشتی نوح کے ابتدا میں ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے "خدا نے چاہا ہے کہ اس زمانہ میں انسانوں کے لیے ایک آسمانی رحمت کا نشان دکھاوے سو اسنے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ تو اور جو شخص تیرے گھر کی چار دیوار کے اندر ہوگا اور وہ جو کامل پیروی اور سچے تقویٰ سے تجھ میں محو ہوجائیگا وہ سب طاعون سے بچائے جائیں گے...... لیکن وہ جو کامل طور پر پیروی نہیں کرتا وہ تجھ میں سے نہیں" اب اس عبارت سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تین ۳ قسم کے لوگوں کے متعلق ہے اوّل خود مورد وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ دوم۔ جو شخص اسکے گھر کی چار دیوار کے اندر ہوگا۔ سوم۔ اور وہ جو کامل پیروی اور سچے تقویٰ سے اس میں محو ہوجائیگا۔ تیسری قسم کے لوگوں کے متعلق کامل پیروی اور اطاعت اور سچے تقویٰ کی شرط ہے۔ اور پھر تھوڑا آگے چلکر اسکی اور بھی تشریح کی ہے "اور نسبتاً اور مقابلۃً اس سلسلہ پر اسکا خاص فضل رہیگا گو کسی کی ایمانی قوت کے ضعف یا نقصان عمل یا اجل مقدر یا کسی اور وجہ سے جو خدا کے علم میں ہو کوئی شاذ و نادر کے طور پر اس جماعت میں بھی کیس ہوجائے" پس کشتی نوح میں دونوں وعدے الگ موجود ہیں۔ مگر یہ دعویٰ کہیں نہیں کیا گیا کہ جو شخص بیعت کریگا اسکو طاعون نہیں ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ الدار کے روحانی معنے بھی ہیں اور جسمانی بھی مگر روحانی معنوں کے لیے یعنی اس صورت میں جب بیعت کرنیوالے اس وعدے میں شامل کیے گئے ہیں تو انکے ساتھ یہ شرط موجود ہے کہ وہ کامل طور پر تعلیم پر چلنے والے اور کامل پیروی اور اطاعت کرنیوالے ہوں اور کُھلے الفاظ میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ "ایمانی قوت کے ضعف یا نقصان عمل یا اجل مقدر یا کسی اور وجہ سے جو خدا کے علم میں ہو" ان میں سے بعض لوگ اس بیماری سے مر بھی جائیں گے۔ پس جہانتک دار کے جسمانی معنے ہیں اللہ تعالیٰ نے کُھلے رنگ میں اس پیشگوئی کو

پورا فرمایا اور کوئی شخص نہیں جو کہہ سکتا ہو کہ باوجود قادیان میں کئی دفعہ طاعون کے نمودار ہونیکے اس دار کے رہنے والوں میں سے جو قریب تئیس کے پہنچ جاتے ہیں ایک شخص بھی مرا۔ باقی رہے دار کے روحانی معنے سو اسکا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے کہ کون وہ شخص ہے جو اس وعدہ میں آتا ہے۔ ہاں جس رنگ کے معنے لو اسی رنگ میں پیشگوئی پوری ہوئی۔ اب ہم اس اعلان کو نقل کرتے ہیں :۔

"من اظلم ممن افترٰی علی اللّٰہ کذبًا او کذّب بآیاتہ۔ افسوس کہ اس ملک کے اکثر لوگ جو مولوی کہلاتے یا ملہم ہونیکا دم مارتے ہیں جب خدا تعالیٰ کا کلام ان کو سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ افترا ہے انہیں لوگوں پر اتمام حجت کرنیکے لیے میں نے کتاب حقیقۃ الوحی تالیف کی ہے کب تک یہ لوگ ایسا کرینگے۔ آخر ہر ایک فیصلہ کے لیے ایک دن ہے اور ہر ایک قضاو قدر کی نزول کے لیے ایک رات ہے۔ اسوقت میں نمونہ کے طور پر خدا تعالیٰ کا ایک کلام ان لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں اور بالخصوص اسجگہ مخاطب میرے مولوی ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری اور مولوی عبد الجبّار اور عبد الواحد اور عبد الحق غزنوی ثم امرتسری اور جعفر زٹلی لاہوری اور ڈاکٹر عبد الحکیم خاں اسسٹنٹ سرجن تراوڑی ملازم ریاست پٹیالہ ہیں اور وہ کلام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا ہے انّی احافظ کلّ من فی الدار و احافظک خاصّۃ۔ ترجمہ اس کا بموجب تفہیم الٰہی یہ ہے کہ میں ہر ایک شخص کو جو تیرے گھر کے اندر ہے طاعون سے بچاؤنگا اور خاصکر تجھے۔ چنانچہ گیارہ برس سے اس پیشگوئی کی تصدیق ہو رہی ہے اور میں اس کلام کے منجانب اللہ ہونے پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ خدا تعالیٰ کی تمام کتب مقدسہ پر اور بالخصوص قرآن شریف پر۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ خدا کا کلام ہے پس اگر کوئی شخص مذکورہ بالا اشخاص میں سے یا جو شخص انکا ہمرنگ ہے یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ یہ انسان کا افترا ہے تو اُسے لازم ہے کہ وہ قسم کھاکر ان الفاظ کے ساتھ بیان کرے کہ یہ انسان کا افترا ہے خدا کا کلام نہیں۔ ولعنۃ اللّٰہ علی من کذّب وحی اللّٰہ۔ جیسا کہ میں بھی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ یہ خدا کا کلام ہے ولعنۃ اللّٰہ علی من افترٰی علی اللّٰہ۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ خدا اس راہ سے کوئی فیصلہ کرے۔ اور یاد رہے کہ میری کسی کلام میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ہر ایک شخص جو بیعت کرے وہ طاعون سے محفوظ رہیگا بلکہ یہ ذکر ہے کہ والذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلمٍ اولٰئک لھم الامن وھم مھتدون۔ پس کامل پیروی کرنیوالے اور ہر ایک ظلم سے بچنے والے جس کا علم محض خدا کو ہے۔ بچائے جائیں گے اور کمزور لوگ طاعون سے شہید ہو کر شہادت کا اجر پاویں گے اور طاعون انکے لیے تمحیص اور تطہیر کا موجب ٹھہریگی۔ اب میں دیکھوں گا کہ اس میری تحریر کے مقابل پر بغرض تکذیب کون قسم کھاتا ہے مگر یہ امر ضروری ہے کہ اگر ایسا مکذّب اس کلام کو خدا کا کلام نہیں سمجھتا تو آپ بھی دعویٰ کرے کہ میں بھی طاعون سے محفوظ رہونگا اور مجھے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا ہے تا دیکھ لے افترا کی کیا جزا ہے۔

والسلام علٰی من اتبع الھدٰی۔ الراقم میرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعودؑ

تازہ وحی

۲۸۔ مئی ۱۹۰۴ء۔ شریف احمد (حضرت مسیح موعودؑ کا تیسرا صاحبزادہ) سخت بیمار تھا۔ الہام ہوا عمّرہ اللّٰہ علی خلاف التوقع (خدا اسکو امید سے بڑھکر عمر دیگا) امّرہ اللّٰہ علی خلاف التوقع (خدا اسکو امید سے بڑھکر امیر کریگا) ءانت لاتعرفین القدیر (کیا تو خدائے قادر کو نہیں پہچانتی۔ مخاطب اسکی والدہ ہے) مرادک حاصل۔ اللّٰہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین۔

صدر انجمن احمدیہ قادیان

(۱) صدر انجمن احمدیہ کی اہم اور اصلی غرض اشاعت اسلام ہے۔

(۲) صدر انجمن احمدیہ کے متعلق اسوقت حسب ذیل کام ہیں۔

اوّل۔ ایک ہائی سکول کا انتظام جس میں انٹرنس تک دنیوی تعلیم دیجاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عربی اور دینیات کی اسقدر تعلیم دیجاتی ہے جس سے ایک باقاعدہ تعلیم پانیوالا طالب علم قرآن شریف کا ترجمہ اور دین کی بہت سی ضروری باتیں سیکھ لیتا ہے اور اسلام کی صداقت اور غیر مذاہب کے بطلان کے بہت سے دلایل سے آگاہ ہوجاتا ہے۔ اس مدرسہ کے متعلق ایک بورڈنگ ہوس ہے جس میں سوا سو ۱۲۵ کے قریب لڑکے ہیں علاوہ ازیں ایک گرلز سکول اور دیہات میں تین ۳ برانچ سکول ہیں۔

دوم ایک دینیات کے مدرسہ کا انتظام جس میں زیادہ تر تعلیم عربی اور دینیات کی دیجاتی ہے اور اس کے ساتھ طب اور تھوڑے تھوڑے مروجہ مضامین پڑھائے جاتے ہیں کتابت بھی سکھائی جاتی ہے۔ جو لوگ صرف انگریزی اور عربی دینیات کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں ان کے لیے بھی انتظام کیا گیا ہے۔

سوم۔ ایک میگزین ماہوار کا انتظام جو انگریزی میں بلاد یورپ اور امریکہ اور بعض دیگر ممالک میں کئی سو مفت بغرض اشاعت اسلام تقسیم ہوتا ہے۔ اور اردو میں قریب دو ہزار کے اشاعت اسکی ہندوستان میں ہے۔ اس رسالہ کے اردو حصہ کے ساتھ ایک ضمیمہ تفسیر القرآن کا بھی ہے جو اصل رسالہ سے الگ ہے جس میں ہر قسم کے مشکلات اور اعتراضات کو نہایت صفائی سے حل کیا جاتا ہے۔

چہارم۔ ایک کتب خانہ جس میں بہت سی حضرت مسیح موعودؑ کی تصنیفات اور بعض دیگر اسلامی تصنیفات اور مدرسہ کی مروجہ کتابیں اور بعض احمدی احباب کی تصنیفات ملتی ہیں اسکی ایک مختصر فہرست دوسری جگہ دیگئی ہے۔

پنجم۔ ایک قبرستان کا انتظام اور اس کے متعلق وصایا وغیرہ کا اہتمام۔

ششم۔ ایک یتیم فنڈ جس سے حسب گنجایش بعض یتامیٰ کی مدد کیجاتی ہے۔ ایسا ہی ایک مساکین فنڈ ہے جس سے بعض مساکین کو جو مدرسہ میں پڑھتے ہیں مدد دیجاتی ہے اور زکوٰۃ کا روپیہ بھی حسب منشائے شریعت اسلامی جسقدر جمع ہو تقسیم کیا جاتا ہے۔

صدر انجمن احمدیہ کی ضروریات سب سے اول لنگر خانہ ہے۔ اس کا انتظام براہ راست حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ میں ہے۔ ہم بیعت کرنیوالوں کے لیے ضروری ہے کہ کچھ نہ کچھ چندہ لنگر خانہ ادا کریں اور اس سلسلہ کی اعانت کریں۔ اسکی اخراجات میں صرف مہمانوں کی آمدورفت کے اخراجات ہی ہیں بلکہ تعمیر اور خط وکتابت حضرت اقدسؑ اور طبع کتب وغیرہ کے اخراجات کثیر بھی ہیں۔

دوسری۔ ضرورت ہائی سکول اور مدرسہ دینیات کے متعلق ہے۔ اسکے لیے بھی تمام بیعت کنندگان کے لیے چندہ دینا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ماہوار مستقل خرچ ایک ہزار روپے کے قریب ہے اور عمارت کا کثیر خرچ درپیش ہے۔

تیسری ضرورت یہ ہے کہ تمام احمدی احباب اور ایسے غیر احمدی احباب جو تعلیم کے ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ انکے بچے دیندار ہوں انہیں

اس مدرسہ میں تعلیم کے لیے بھیجیں۔ **چوتھی** ضرورت میگزین کے متعلق ہے اسکا چندہ اردو میں عہ سالانہ ہے اور ضمیمہ یعنی تفسیر القرآن کا چندہ ۱۲ سالانہ ہے۔ اصل میگزین ۴۰ صفحوں پر ضمیمہ ۲ صفحہ پر ہے۔ انگریزی رسالہ کی قیمت للعہ سالانہ ہے۔ سب احباب کے لیے ضروری ہے کہ خود اسکے خریدار بنیں۔ اور جو رسالہ مفت تقسیم کیا جاتا ہے اس میں بھی حسب استطاعت اعانت کرکے اشاعت اسلام کے لیے انجمن کی مدد کریں۔ **پانچویں** ضرورت یتیم فنڈ اور مسکین فنڈ میں مدد کی ہے۔ قربانی کی کھالوں کی قیمت اور ہر قسم کے صدقات اس مد میں بھیجے جاویں۔ خالی استعمال کردہ کپڑے وغیرہ بھی بہت کام آسکتے ہیں۔ **چھٹی** ضرورت زکوٰۃ کے روپیہ کے یہاں بھیجنے کی ہے۔ اس روپیہ سے بہت مفید کام ہو رہا ہے تمام احمدی مرد اور عورتیں جو صاحب نصاب ہیں سالانہ اپنی زکوٰۃ کا حساب کرکے اسجگہ بھیجدیں۔ **ساتویں** ضرورت یہ ہے کہ جو کتابیں انجمن کے کتب خانہ سے مل سکتی ہیں وہ یہاں سے منگوائی جاویں اس سے بھی انجمن کو مدد پہنچتی ہے۔ بعض احباب نے اپنی کتابیں انجمن کے نام ہبہ کردی ہیں ایسی مثالیں بھی قابل تقلید ہیں۔

نوٹ۔ مقبرہ بہشتی کے شرائط کو جو لوگ پورا کرنا چاہیں وہ اپنی آمد کا دسواں حصہ دیں یا اپنی جائداد کے دسویں حصہ کے متعلق وصیت کریں۔

ضروری ہدایات (۱) ہر ایک قسم کا روپیہ جسکا تعلق صدر انجمن احمدیہ کی کسی مد سے ہو بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیئے مگر لنگر خانہ کا روپیہ حضرت مسیح موعودؑ کے نام بھیجیں اگر دوسری مدات کے ساتھ ملا ہوا ہو تو محاسب کے نام بھیجکر اسے اطلاع دیں کہ وہ حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پیش کردے۔ (۲) منی آرڈر کے کوپن میں پوری رقم اور اسکی تفصیل کہ کن کن اغراض کے لیے ہے (یا اگر لمبی تفصیل ہو تو علیحدہ خط میں دیں) اور فرستندہ کا نام اور پتہ خوشخط درج ہوں۔ (۳) ہر ایک رقم کی رسید باضابطہ دفتر محاسب سے دیجاویگی۔ پس جس شخص کو رسید دفتر کی محاسب کے دستخطی وقت پر نہ پہنچے اسے خط و کتابت کرکے دریافت کرنا چاہیئے ایسی رسیدیں حتی الوسع کچھ مدت کے لیے محفوظ رکھی جاویں۔ **نوٹ۔** ۴ر سے کم رقم کی رسید نہ دیجاویگی۔ (۴) مدرسہ کے متعلق ہر ایک قسم کی خط و کتابت نائب ناظم مدرسہ یا ہیڈ ماسٹر مدرسہ سے کریں اور بورڈنگ ہوس کے متعلق سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہوس سے۔ (۵) جو احباب مدرسہ میں اپنے لڑکے بھیجیں انکا ایک ماہ کا خرچ پیشگی ہیڈ ماسٹر صاحب یا سپرنٹنڈنٹ صاحب کے نام بھیجیں اور یہ یاد رکھیں کہ خرچ ہمیشہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس بھیجا جاوے لڑکے کو نہ دیا جاوے سپرنٹنڈنٹ صاحب حسب ہدایت اور حسب ضرورت اسے لڑکے کی بہتری کے لیے خرچ کریں گے۔ اور ماہوار حساب بھیجتے رہیں گے۔ (۶) میگزین کے متعلق کل خط و کتابت منیجر میگزین یا نائب ناظم میگزین کے نام ہو کریں۔ اور ایڈیٹر کے نام سوائے ان خطوط کے جنکا تعلق مضامین رسالہ سے ہو اور کوئی خط و کتابت نہ کریں۔ (۷) مقبرہ بہشتی کے متعلق اور وصیت وغیرہ کے متعلق نائب ناظم مقبرہ بہشتی سے خط و کتابت کریں اور انہی سے رسالہ الوصیت طلب کریں جو مفت بھیجا جاویگا۔ وصیت کی فارمیں بھی انہی سے طلب کریں اور انہی کے نام وصایا بھیجیں۔ (۸) کتابیں بھی نائب ناظم مقبرہ بہشتی سے طلب کی جاویں جو بذریعہ وی پی مطلوب کتب بھیجینگے اور جگہ سے طلب نہ کی جاویں (۹) امور متعلقہ صدر انجمن میں سکرٹری صدر انجمن احمدیہ سے خط و کتابت کریں (۱۰) وظایف مسکین فنڈ کے متعلق درخواستیں صرف دو دفعہ سال میں پیش ہونگی یعنی نومبر اور مئی میں پس جو صاحب درخواستیں بھیجیں وہ ان اوقات کو محفوظ رکھیں کہ انکا جواب سوائے ان دو اوقات کے نہیں مل سکیگا۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ بدون منظوری مجلس کسی [illegible] وظیفہ کے لیے درخواست کی گئی ہے یا کرنیکا منشا ہو بیان نہ بھیجیں۔ المعلن خاکسار محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان۔